پیامِ قرآن کی پیشکش

حج اور قربانی

پرویزی شبہات کا علمی محاسبہ

پروفیسر حافظ ڈاکٹر محمد دین قاسمی

www.facebook.com/payamequran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ مضمون جناب پروفیسر حافظ ڈاکٹر محمد دین صاحب کی تصنیف

"تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ"

میں سے اخذ کیا گیا ہے۔

حج (۴)

حج، ارکانِ اسلام میں سے ایک ایسا فریضہ ہے، جسے زندگی بھر میں، ایک مرتبہ ادا کرنا لازم ہے، نفس انسانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرنے میں، اور اس میں للٰہیت کو فروغ دینے میں، تقویٰ و تدیّن کے استحکام میں، اپنے گھر بار، کاروبار اور عزیز رشتہ دار سے الگ ہو کر، صرف اور صرف اللہ کی رضاء جوئی کی خاطر، حج کے سفر کو اختیار کرنے میں، نیز اس پر صعوبت اور لمبے سفر کو عبادت جان کر طے کرنے میں، دورانِ سفر، ہم سفر حجاج کرام سے خادمانہ برتاؤ کے ذریعہ نیکیاں کمانے میں، اور احرام کا خاص لباس پہن کر فقیرانہ ہیئت اختیار کرنے میں، ہر بلندی پر چڑھتے اور ہر پستی کی طرف اترتے ہوئے، ہر قافلہ سے ملتے ہوئے، اور

[1] طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۵۷ء، صفحہ ۳۵

[2] طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۸۶ء، صفحہ ۱۱

ہر کارواں سے بچھڑتے ہوئے، زبان سے لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرنے میں، اور خدا کے گھر --- جو خود، اس کا مرکزِ عقیدہ وایمان بھی ہے --- کے اردگرد پروانہ وار طواف کرنے میں، اور دیگر اعمال ومناسکِ حج ادا کرنے میں، خود حاجی کے اپنے نفس میں، اس کے دل ودماغ میں، اور سیرت وکردار میں، حج کیا مثبت اثرات پیدا کرتا ہے، یہ سب دراصل وہ فوائد ہیں، جنھیں روحانی، اخلاقی اور اعتقادی فوائد وثمرات کہنا زیادہ مناسب ہے، لیکن حاجی کے ان انفرادی فوائد سے کہیں بڑھ کر، وہ اثرات وثمرات ہیں، جو وجود حاجی سے متعدی اور وسیع ہو کر، دوسروں تک بھی پہنچتے ہیں، جن کو سید سلیمان ندویؒ نے سیرتِ نبوی میں تفصیلاً اور سید مودودیؒ نے ''خطبات'' میں اجمالاً پیش کیا ہے، انھیں حج کے اجتماعی اور عالمگیر ثمرات وفوائد کہا جاسکتا ہے، حج کا موسم آتے ہی، بیت اللہ کی زیارت کا شوق، عالم اسلام میں ایک حرکت پیدا کر دیتا ہے، حجاج کرام میں، تقویٰ و پرہیز گاری کی افزائش، ان کا تودیع واستقبال کرنے والوں پر بھی اثرانداز ہوتی ہے، اس فریضہ کی ادائیگی، عالم اسلام کی بیداری کا ایک ذریعہ بنتی ہے، اور مکہ معظمہ میں، چار دانگ عالم سے سمٹ کر آنے والے حجاج کرام، وحدتِ ملت کا ایسا پرکیف نظارہ پیش کرتے ہیں کہ لسان ولون، خاک وخون اور نسل ووطن کے تعصبات، یکسر دم توڑ دیتے ہیں، پھر پاکیزہ نیتوں کے ساتھ، پاکیزہ مقام پر، پاکیزہ عزائم و مقاصد کے پیشِ نظر، یہ دنیا کا واحد پاکیزہ اجتماعِ افراد ہے، جو امت مسلمہ کی دینی اخوت اور حقیقی مساوات کا بھی مظہر ہے۔

حج اور ''مفکرِ قرآن''

لیکن ہمارے ''مفکرِ قرآن'' کے نزدیک، حج کی اہمیّت، جو کچھ بھی ہے، وہ صرف اس پہلو سے ہے کہ یہ عالم اسلام کے سربراہوں اور حکمرانوں کی ایک کانفرنس ہے، جس میں وہ اپنی مشترکہ پالیسیاں بنانے اور انھیں اختیار کرنے میں مصروف رہیں گے، میدان عرفات میں، ان کے باہمی تعارف کی رسم ادا ہوگی، اور کسی دوسری جگہ، ان کی اصولی پالیسیوں کی جزئیات اور تفصیلات طے ہوں گی، قربانی کا مقصد، ان حکمرانوں کی ضیافت طبع اور کام ودہن کی لذت کا اہتمام ہے، اور خطبۂ امام، دراصل، ان طے کردہ اصولی پالیسیوں کا مشترکہ اعلان اور متفقہ اعلامیہ ہے، اور بس، چنانچہ وہ حج کی اہمیت اور اس کا مفہوم ومقصد بایں الفاظ پیش کرتے ہیں۔

> حج سے مفہوم یہ کہ تمام دنیا کے انسان، بلاتفریقِ رنگ ونسل، اور بلاامتیازِ وطن وزبان، جو، اس نصب العین پر، ایمان رکھتے ہوں، کہ دنیا میں کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کا حق نہیں، محکومیت صرف خدا کے قانون کی جائز ہے، اپنے اپنے ملکوں سے اپنے نمائندے چنیں، یہ نمائندے، اپنے میں سے ایک منتخب کردہ امیر کی زیرِ قیادت، مرکزِ وحدتِ انسانیت یعنی کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوں، عرفات کے میدان میں، ان تمام نمائندگان کا باہمی تعارف ہو، پھر یہ تمام امرائے ملت، اپنے میں سے ایک امیر الامراء کا انتخاب کرلیں، اور مختلف ممالک کے احوال وظروف کو سامنے رکھ کر، باہمی مشاورت سے ایک ایسا پروگرام مرتب کرلیں، جو آئندہ سال کے لیے اصولی طور پر، بطورِ مشترکہ پالیسی، اختیار کیا جائے، اور جو امن وسلامتیٔ انسانیت کا ضامن اور فلاح وسعادتِ آدمیت کا کفیل ہو۔ ان کا منتخب کردہ امام، اپنے خطبۂ حج میں، اس پروگرام کا اعلان کردے جو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جائے، اس کے بعد، یہ تمام نمائندگان، مقامِ منیٰ میں جمع ہو کر، اس اصولی پروگرام کی تفصیلات وجزئیات پر غور

کریں اور یہ سوچیں کہ ایک دوسرے کے ملک پر اس کا عملی اثر اور ردعمل کیا ہوگا، وہاں باہمی مذاکرات بھی ہوں گے، اور دعوتیں اور ضیافتیں بھی، جس کے لیے قربانی تجویز کی گئی ہے، اس کے بعد، یہ نمایندگان اپنے اپنے ملکوں میں واپس آجائیں اور اس طے شدہ پروگرام کے مطابق، اپنے اپنے لوگوں کو چلائیں، یہ ہے وہ عملی طریقہ، جو قرآن کریم نے، تمام نوع انسانی کو، ایک امت واحدہ بنانے، اور ان کے تمدنی مسائل کا حل تجویز کرنے کے لیے بنایا ہے۔ [1]

حج کے ماڈرن مفہوم پر ایک نظر

حج کا یہ نقشہ، صاف دکھائی دیتا ہے کہ دورِ حاضر کی اقوام متحدہ، یا لیگ آف نیشنز کو سامنے رکھ کر، مرتّب کیا گیا ہے، جس میں حج کے مناسک کی ادائگی، تو پس منظر میں چلی گئی ہے، اور مختلف مسلم ریاستوں کی ''نمایندہ کانفرنس'' کا تخیل، حج کا مرکزی اور اساسی مقصد قرار پا گیا ہے، پھر اس ''نمایندہ کانفرنس'' کی غایت بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ باہمی مشاورت سے کوئی مشترکہ پالیسی طے کی جائے، اور پھر کسی دوسری جگہ جا کر، اس کی جزئیات وتفصیلات پر غور کرتے ہوئے، باہمی مذاکرات کیے جائیں، اور آپس کی دعوتوں اور ضیافتوں کا اہتمام کیا جائے، تاکہ قربانی کے جانور ٹھکانے لگ جائیں اور اس طرح، لگے ہاتھوں ''قربانی'' کے حکم پر عمل بھی ہو جائے۔

(۱) ----- حج کا یہ ماڈرن نقشہ، اس بات کو لازم کرتا ہے کہ حج، افرادِ امت مسلمہ پر فرض نہیں ہے بلکہ یہ ان کے سربراہوں، حکمرانوں یا منتخب افراد پر ہی عائد ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے، قرآن کریم میں، اسے امت مسلمہ کے نمایندوں پر نہیں، بلکہ خود لوگوں ہی پر فرض قرار دیا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَّمَنْ كَفَرَ .... (آل عمران-۹۷) اور اللہ کے لیے لوگوں پر (اس) گھر کا حج کرنا لازم ہے ہر اس شخص پر جو حج کی استطاعت رکھتا ہے، پھر جس نے کفر کیا ....

عَلَى النَّاسِ کے الفاظ میں، عامۃ الناس کا مفہوم آتا ہے (نہ کہ ان کے نمائندگان کا)۔ تاہم اگر ایسے نمائندگان، حج کے لیے جائیں گے بھی، تو نمایندہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ یکے از افرادِ مسلمین ہی کی حیثیت سے شریک حج ہوں گے، اپنے ملک میں، یہ لوگ، خواہ کسی نظامت کے ناظمِ اعلیٰ ہوں یا کسی محکمہ کے افسرِ بالا، وزیرِ سلطنت ہوں یا اراکینِ مقنّنہ، حکامِ انتظامیہ ہوں یا مُنصِفینِ عدلیہ، سربراہ مملکت ہوں یا والیانِ صوبہ، ان کی شخصیتوں پر پڑے ہوئے عہدوں کے یہ سب لفافے، یہیں اتر جائیں گے، اور خدا کے گھر میں، احرام کا فقیرانہ لباس پہن کر، یہ ظاہر کے بھی اور باطن کے بھی فقیر بن کر ہی حاضر ہوں گے کہ یہی ان کی اصل اور مستقل حیثیت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ (فاطر-۱۵) اے لوگو! تم سب اللہ ہی کے محتاج وفقیر ہو۔

(۲) ----- قربانی کے جانوروں کے متعلق قرآن کہتا ہے۔

---

[1] قرآنی فیصلے، جلد ۱، صفحہ ۶۸

فَكُلُوْا مِنهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيرَ (الحج - ۲۸) قربانی کے ان جانوروں میں سے تم خود بھی کھاؤ اور تنگدست محتاج کو بھی کھلاؤ۔

فَكُلُوْا مِنهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (الحج - ۳۶) اِن میں سے تم خود بھی کھاؤ اور قناعت پسند (قلیل الرزق) اور حاجتمند کو بھی کھلاؤ۔

قرآن نے قربانی کے گوشت کا یہ مصرف بیان کیا ہے جس کے مطابق، فقیر و تنگدست، قلیل الرزق مگر قناعت پسند، حاجتمند کو کھلانا بھی لازم ہے، یہ انفاق فی سبیل اللہ ہی کی اور غریب پروری ہی کی ایک صورت ہے، جس کی روح کو سلب کر کے ''مفکر قرآن'' اسے محض حکمرانوں کی ایک ''گوشت خور پارٹی'' کے طور پر پیش کر رہے ہیں، اور اسے مقصدِ قربانی قرار دے رہے ہیں۔

(۳) ----- مناسک حج میں کچھ اعمال، وہ ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں اور کچھ وہ ہیں جو سنتِ نبویہ سے ماخوذ ہیں، قرآن، جن مناسکِ حج کا ذکر، کرتا ہے، ان میں احرام (وَاَنْتُمْ حُرُمٌ)، طوافِ کعبہ (وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ)، سعی بین الصفا والمروہ (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا)، وقوفِ عرفات اور اس سے روانگی (فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ ....)، وقوفِ مشعرِ حرام (مزدلفہ) (فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ)، قربانی (لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ)، حلقِ رأس وتقصیرِ رأس (مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ)، پھر تمام شعائر اللہ کی بے حرمتی سے بچنا (لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللهِ)، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر، ان کا احترام و اکرام اور تعظیم و توقیر کرنا (وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ) وغیرہ شامل ہیں، رہے وہ مناسک حج، جنکا ماخذ، سنتِ نبویہ ہے، تو اسے فی الحال، نظر انداز کیجئے کہ وہ ''مفکر قرآن'' اور ان کے ہمنوا منکرین حدیث کے لیے، سرے سے حجت ہی نہیں ہیں۔

جہاں تک قرآن مجید میں مذکور، مناسکِ حج کا تعلق ہے، ''مفکر قرآن'' کے پیش کردہ نقشۂ حج میں، خوردبین لگا کر دیکھنے سے بھی، ان کا پتہ نہیں چلتا، بس مسلم حکمرانوں کا ایک اجتماع ہے، جنکا مقصد مشترک پالیسیاں بنانا اور گوشت خوری کرنا ہے، رہے وہ اعمال حج جو مذکور فی القرآن ہیں تو ان کی اس اجتماع میں کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے، گویا یہ سارے مناسک اب یا تو اس ''ترقی یافتہ'' دور میں، اس لیے متروک ہیں کہ یہ قرونِ مظلمہ (تاریک ادوار) کی (معاذ اللہ) وہ باقیاتِ سیئات ہیں، جو دورِ حاضر کی ''علمی سطح'' سے فروتر ہیں، یا پھر ''عبوری دور'' کے بیہودہ احکام ہیں، جنکا زمانہ لد چکا ہے۔

ماڈرن نقشۂ حج کا ایک بدیہی نتیجہ

حج کی حیثیت، جسے قرآن نے پیش کیا ہے، اور جسے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ نے پیش نظر رکھا ہے، اسے تو ''مفکر قرآن'' نے یکسر بدل دیا، اور جو نقشۂ حج خود پیش کیا ہے، اس کا مقصد، ان الفاظ میں بیان کیا کہ:

> حج کا اجتماع، اس مقصد کے لیے ہے کہ اس امت کے نمائندے، وہاں جمع ہو کر، سوچیں کہ اس مقصد عظیم سے عہدہ براہونے

کے لیے کیا پروگرام بنانا اور اسے کس طرح بروئے کار لانا چاہئے۔ [1]

اس سے ظاہر ہے کہ حج کرنا، افرادِ مسلمین کا نہیں، بلکہ نمائندگانِ امت کا ہی فریضہ ہے، حج کا جو مقصد بیان کیا گیا ہے، اس کا بھی منطقی تقاضا یہی ہے کہ نمائندگانِ امت مسلمہ ہی حج کے لیے جائیں، عامۃ الناس کا وہاں جانا، کچھ بھی مفید مطلب یا قرینِ مقصد نہیں ہے، عام افرادِ مسلمین کا وہاں جانا، ''غیر قرآنی'' فعل ہے، جسے کوئی بھی ''قرآنی حکومت'' برداشت نہیں کر سکتی، کیونکہ اس صورت میں ملکی زرِ مبادلہ ''ضائع'' ہوتا ہے، لہٰذا عامۃ الناس کے لیے حج پر پابندی، اسی طرح ملکی مفاد کے لیے ناگزیر ہوگی جس طرح ترکی میں ایسا کیا جانا، مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھوں ناگزیر گردانا گیا تھا۔

لیکن غیر مسلم بھی حج میں آئیں

''مفکرِ قرآن'' کے نزدیک، عامۃ الناس کا نہ تو حج میں جانا مناسب ہے اور نہ ہی ان پر لازم ہے، یہ کام تو امت مسلمہ کے نمائندگان کا ہے کہ وہ حج کے موقع پر جمع ہوں اور سر جوڑ کر، امت کی فلاح و صلاح کی منصوبہ بندی کریں، اس لیے عام افرادِ مسلمین کو تو مکہ معظّمہ میں بغرضِ حج نہیں جانا چاہئے، البتہ غیر مسلم اس اجتماعِ حج میں شریک ہو سکتے ہیں، جیسا کہ حج کا ''مفکر قرآن'' کے ہاتھوں، مرتب کردہ نقشہ واضح کرتا ہے، ان غیر مسلموں پر، اگرچہ فریضۂ حج عائد نہیں ہوتا، لیکن، بقولِ ''مفکر قرآن'' انھیں بھی بطورِ مبصّر، قرآن کریم، شریکِ حج ہونے کی دعوت دیتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

> ۱ ----- آیت کے شروع میں کہا گیا ہے وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ''تو لوگوں کو حج کے اجتماع میں شرکت کی دعوت دے''۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ منشائے خداوندی یہ تھا کہ اس اجتماع کا انصرام و اہتمام، تو امتِ مسلمہ کی طرف سے ہو، لیکن اس میں دیگر اقوامِ عالم کے نمائندوں کو بھی مبصّرین کی حیثیت سے دعوتِ شرکت دی جائے، تاکہ وہ اس امر کا مشاہدہ کریں کہ نظامِ خداوندی، عالمگیر انسانیت کی منفعت کے لیے کیا کچھ کر رہا ہے۔ [2]
>
> ۲ ----- یہ دعوت ''الناس'' کو دی جاتی تھی جس میں امت مسلمہ بھی شامل تھی اور غیر مسلم بھی۔ [3]
>
> ۳ ----- غیر مسلموں کو حج کے اجتماع میں، مبصر کی حیثیت سے شریک ہونیکی دعوت دی جائے گی، تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، کہ یہ نظام، ان کی بہبود کے لیے کیا کچھ کر رہا ہے، لیکن اس کے لیے، ایک شرط ضروری ہے وہ یہ کہ اس میں کوئی شخص، کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا جو ان مقاصد کے خلاف جائے، جنھیں خدا نے مقرر کیا ہے، ایسا کرنے کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے (۳۵/۲۲)، اسی بناء پر مشرکین مکہ کو اس میں شرکت سے روک دیا گیا تھا۔ [4]

''مفکرِ قرآن'' کے اس موقف پر، چند امور وضاحت طلب ہیں۔

اَوّلاً ----- یہ کہ، کیا جس ہستی پر قرآن، نازل ہوا تھا، اور جو ہستیاں، ان کے بعد خلفائے راشدین کہلائیں، ان کے عہد میں بھی، کبھی کسی غیر مسلم کو بطورِ مبصّر دعوتِ شرکت دی گئی تھی؟

---

[1] طلوعِ اسلام، مئی جون ۱۹۶۳ء، صفحہ ۱۵۲

[2] طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۷۹ء، صفحہ ۵ تا ۶

[3] + [4] طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۸

حرام ہے جو کبھی ''مفکر قرآن'' نے عمر بھر میں، ایک مرتبہ بھی، یہ انکشاف فرمایا ہو کہ عہدِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ میں ''النّاس'' کو دعوت دیتے ہوئے، کب اور کس کافر ومشرک کو بطور مبصّر، شریک حج ہونے کی دعوت دی گئی تھی؟

ثانیاً ---- یہ کہ، کیا قرآن، صراحت کے ساتھ، مشرکوں کا داخلہ، مسجد حرام میں ممنوع قرار نہیں دیتا؟ قرآن تو کسی بھی مشرک کو (جب تک وہ عقیدۂ شرک پر قائم ہے) مسجد حرام کے قریب تک پھٹکنے کو گوارا نہیں کرتا، کجا یہ کہ وہ انھیں بطور مبصر، شرکت حج کی دعوت دے۔ قرآن اہل ایمان اور ان کے ارباب اقتدار کو یہ حکم دیتا ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (التوبہ ۹-۲۸)

اے ایمان والو! مشرکین، ناپاک ونجس ہیں۔ اس سال کے بعد، وہ، مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

شرک کی نجاست، لازمۂ شرک ہے، یہ پلیدی اس وقت تک، مشرکوں کے ساتھ چمٹی رہتی ہے، جبتک کہ وہ شرک کو چھوڑ کر، توحید کو قبول نہ کرلیں، لہٰذا وہ اگر پرویز صاحب کی تجویز کے مطابق، عملی شرک سے، تھوڑی دیر کے لیے اجتناب کر بھی لیں، تب بھی، عقیدۂ شرک کی بناء پر (جو ان کے قلب وذہن پر مستولی، اور ان کے رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہے) وہ ناپاک ونجس ہی رہیں گے، جس کے باعث، بہرحال، مسجد حرام میں ان کا داخلہ ممنوع ہے۔

النّاس سے مراد کون لوگ ہیں؟

رہی ''مفکر قرآن'' کی یہ دلیل کہ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ کے الفاظ میں یہ دعوت ''النّاس'' کو دی گئی ہے، جس میں امت مسلمہ بھی شامل ہے اور غیر مسلم بھی۔ تو یہ اگر فریب خوردگی نہیں تو فریب دہی ضرور ہے، قرآن سے جہالت نہیں تو شرارت کا کرشمہ ہے۔

(۱) ---- سیدھی سی بات ہے کہ ''النّاس'' کو جو دعوت دی گئی ہے، وہ حج ہی کی دعوت ہے، لیکن ''مفکر قرآن'' اپنی طرف سے یہ تفریق پیدا کرتے ہیں کہ بعض لوگوں (مسلمانوں) کو یہ دعوت، تو حج ہی کے لیے ہے، لیکن بعض دیگر لوگوں کو (یعنی مشرکوں کو) یہ دعوت بطور مبصّر کے ہے، اب اگر اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ میں، یہ دعوت اگر حج کے لیے ہے تو تمام ''النّاس'' ہی کے لیے، اور اگر بطور مبصّر ہے، تب بھی تمام ''النّاس'' ہی کے لیے ہے، ان میں سے بعض ''النّاس'' کو بطور حجاج اور بعض کو بطور مبصّر بلانا ہرگز، قرآن سے ثابت نہیں ہے، آخر اس ثنویت اور تفریق کی قرآنی دلیل کیا ہے؟

(۲) ---- ''النّاس'' اگر غیر مسلم ہوں تو انھیں سب سے پہلے ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے، اگر قبول کر لیں تو پھر وہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مخاطب قرار پا کر، مختلف احکام وہدایاتِ خداوندی پر، مامور ومکلّف بن جاتے ہیں، لیکن اگر وہ ''ایمان'' ہی کو قبول نہ کریں تو پھر وہ کسی بھی شرعی حکم کے مخاطب قرار نہیں پاتے، یہ ایک بدیہی امر ہے۔

(۳) ---- اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ میں ''النّاس'' سے مراد، صرف اور صرف اہل ایمان ہے، جو آیت کے

سیاق و سباق سے بالکل ظاہر ہے، ''مفکر قرآن'' کی یہ ایک عادتِ مستمرہ تھی، کہ وہ کسی آیت میں سے چند الفاظ کو الگ کر کے، انھیں اپنے خود ساختہ معانی پہنا دیا کرتے تھے، حالانکہ سیاق و سباق میں، ان الفاظ کے معانی کچھ اور ہوتے ہیں۔

''الناس'' سے مراد کون لوگ ہیں؟ صرف اور صرف اہل ایمان یا مومنین و کافرین کا مخلوط مجمع؟ قرآن کا سیاق و سباق اسے خود واضح کر دیتا ہے، ملاحظہ فرمائیے یہ آیات۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ .... (سورۃ الحج - ۲۶،۲۷) اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور میرا یہ گھر ان لوگوں کے لیے پاک رکھ جو طواف کرنے والے ہوں، قیامِ عبادت والے ہوں، رکوع و سجود میں جھکنے والے ہوں اور تو لوگوں میں حج کا اعلان کر دے۔

کن لوگوں کو حج کی دعوت دی گئی؟ اُن کو، جن کے لیے، اللہ کے گھر کو پاک اور صاف ستھرا رکھنے کا، حکم، حضرت ابراہیم کو دیا گیا، اور جن کی نشاندہی اَلطَّائِفِينَ (طواف کرنے والے)، الْقَائِمِينَ (عبادت میں قیام کرنے والے)، الرُّكَّعِ (رکوع وانابت الی اللہ کرنے والے) اور السُّجُودِ (اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے والے) کہہ کر دی گئی ہے۔

لیکن اگر بر سبیلِ تنزل، یہ مان بھی لیا جائے کہ ''الناس'' میں، غیر مسلم افراد اور امت مسلمہ کے لوگ دونوں ہی شامل ہیں، تب بھی قرآن کا یہ حکم دینا کہ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا، ''الناس'' میں سے مشرکوں کو خارج کر کے، اسے صرف افراد مسلمین ہی کے لیے خاص کر دیتا ہے، اور غیر مسلموں کو (مشرکین و کفار کو) کسی صورت بھی (خواہ وہ ''مفکر قرآن'' کے نزدیک، مبصر ہی کی صورت میں کیوں نہ ہوں) مسجد حرام کے قریب تک پھٹکنے کا روادار نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حج، ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے، جس کا مقصد، بیت اللہ کی زیارت کے لیے وہاں پہنچ کر، مناسکِ حج کو انجام دینا ہے، لیکن ''مفکر قرآن'' نے، حج کا حلیہ بگاڑ کر، اسے محض، نمائندگانِ ملتِ اسلامیہ کا ایک ''سیاسی اجتماع'' بنا ڈالا ہے، جن کے نزدیک، احرام، طوافِ کعبہ، صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ، وقوفِ عرفات و وقوفِ مزدلفہ، حلق و تقصیرِ رأس وغیرہ اعمالِ حج کسی شمار و قطار ہی میں نہیں۔ رہی قربانی، تو اس کا مقصد بھی، خدا کی عطا کردہ حیوانی دولت کو، خدا کے نام پر قربان کرتے ہوئے، توحیدِ الوہیت اور توحید عبودیت کا اظہار کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف نمائندگانِ ملت اسلامیہ کے کام و دہن کی لذت کے لیے، ایک ''بین الاقوامی گوشت خور پارٹی'' کا اہتمام کرنا ہے، اس لیے ہمارے ''مفکر قرآن'' نے، حج کی عبادت کو، قرآن اور خدائے قرآن کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کی بجائے، ایک اور ہی زاویۂ نظر سے دیکھا، اور اس کا نقشہ، اپنے ذہنی سانچہ میں ڈھال دیا، جس میں ان کی خواہش کے مطابق مسجد حرام میں صرف مسلمان ہی قدم رنجہ نہ ہوں، بلکہ غیر مسلم بھی مبصر بن کر، حرم کی اس پاک سرزمین کو، اپنے قدموں سے روندنے کے لیے آئیں، جس کے قریب تک پھٹکنا بھی، قرآن کو گوارا نہیں ہے، جبکہ ''مفکر قرآن'' کے نزدیک یہی ''قرآنی حکم'' ہے۔

مسئلہ قربانی (قرآن کریم روشنی میں)

حج کے دنوں سے وابستہ، ایک عمل، قربانی کا عمل ہے، جسے نہ صرف یہ کہ حرم میں موجود حجاج کرام ہی انجام دیتے ہیں، بلکہ بیرونِ حرم بھی، چاردانگ عالم میں، پوری امت مسلمہ، اس عمل کے ذریعہ سے، خود کو شریکِ حجاج سمجھتی ہے، اور اس طرح، یہ عمل، ان میں ملی وحدت کا ایک ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

دورِ نزولِ قرآن سے لے کر، اب تک عید الاضحیٰ پر، جانوروں کی قربانی، امت مسلمہ میں ایک مجمع علیہ اور متفق علیہ عبادت کی حیثیت سے، تواتر کے ساتھ قائم رہی ہے، معتزلہ، جو ابتدائی زمانہ میں، حدیثِ رسول اور سنتِ نبوی سے گریزاں رہے ہیں، بھی قربانی کا انکار نہ کر پائے، لیکن ہمارے زمانے میں، غلام احمد پرویز نے عید الاضحیٰ کے موقع پر، کی جانے والی قربانی کی شدید مخالفت کی اور اسے خلافِ قرآن عمل قرار دیا، البتہ حج کے موقع پر، وہ قربانی کے قائل تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

> عید الاضحیٰ کی تقریب پر، جس طرح قربانیاں دی جاتی ہیں، ان کا دین سے کیا تعلق ہے؟ مروجہ مذہب میں ان قربانیوں کی سند میں کچھ روایات پیش کی جاتی ہیں، چونکہ میرے پیشِ نظر صرف قرآن مجید کی تشریح و تفسیر ہے، اس لیے ان روایات کے متعلق بحث کرنا، میرے مقصد سے خارج ہے، ویسے بھی روایات کے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ ان کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار قرآن کریم ہے۔ [1]

قربانی اور دلیل علمائے امت

علمائے امت، حج کے علاوہ، دیگر مقامات پر عید الاضحیٰ کے موقع پر، کی جانے والی قربانیوں کا ثبوت، درجِ ذیل آیت سے فراہم کرتے ہیں۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ (الانعام-۱۶۳) (''اے پیغمبر'') آپ فرما دیجئے، کہ میری نماز اور میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ، رب العالمین ہی کے لیے ہے۔

پرویز صاحب، اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں۔

> اس آیت میں لفظ نسک کے معنیٰ ''قربانی'' کیے جاتے ہیں، لغت میں، اس مادہ (ن-س-ک) کے معنیٰ پاک اور صاف کرنا ہیں، نَسَکَ الثَّوبَ اس نے کپڑے کو دھو کر پاک اور صاف کیا۔ اَرضٌ نَاسِکَۃٌ سرسبز و شاداب زمین، جس پر حال ہی میں بارش ہوئی۔ ان بنیادی معانی کی رو سے اس کا مفہوم، کسی معاملے کو درست اور ٹھیک کر لینا ہوتا ہے، نَسَکَ السَّبْخَۃَ کے معانی ہیں، اس نے زمینِ شور کو درست کیا، اسے جھاڑ جھنکار سے صاف کیا، نَسَکَ اِلٰی طَرِیقَۃٍ جَمِیلَۃٍ اس نے اچھا طریقہ اختیار کیا اور پھر اس پر مداومت اختیار کی، راستہ اختیار کر لینے کی جہت سے کلام عرب میں نَسَکٌ، ہر اس مقام کو کہتے ہیں جس پر عام طور پر، آمد و رفت جاری ہو، یہیں سے اس کے معنیٰ، روش اور رسم کے ہو گئے، اور امور و مراسم حج کو بھی مناسکِ

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۴۷

حج کہتے ہیں۔ [1]

پرویز صاحب کی لغوی تحقیق کا انداز

پرویز صاحب نے لغات کی ورق گردانی کرتے ہوئے، اس بات کی پوری کوشش فرمائی ہے کہ ''نسک'' بمعنی ''ذبیحہ''، ''قربانی'' اور ''راہِ خدا میں بہائے جانے والے خون'' کے معانی کو مکمل طور پر نظر انداز کردیں، اور ان معانی کے علاوہ، باقی دیگر معانی کو، بیان کر کے، یہ تاثر دیا جائے، کہ کتب لغات میں ''نسک'' بمعنی ''قربانی'' موجود ہی نہیں ہے، یہ ہے وہ مطلب جُو یانہ ذہنیت، جسے اگر قربانی کے حق میں، پہاڑ کے سے دلائل بھی مل جائیں، تو اس سے نظریں چُرا لی جائیں، لیکن اگر قربانی کے علاوہ، دیگر معانی مل جائیں، تو ان پر عبارت آرائی اور سخن سازی کرتے ہوئے، یہ تاثر دیا جائے، کہ ان کے علاوہ، لغت میں کوئی اور مفہوم پایا ہی نہیں جاتا۔

قرآنی تحقیق کا ہرگز، یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں تو ان میں اپنے دل پسند مطلب کے خلاف معانی کو نظر انداز کر دیا جائے، اور مفیدِ مطلب معانی کو بیان کر کے، یہ تاثر ابھارا جائے کہ عربی لغات، ہمارے بیان کردہ معانی کے علاوہ، دیگر معانی سے خالی ہیں بلکہ قرآنی تحقیق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جملہ لغوی معانی کو دیکھتے ہوئے، جو مفہوم و مراد، قرآن کے کسی مقام پر فِٹ بیٹھتا ہے، اسے دلائل کے ساتھ، دیگر مفاہیم پر ترجیح دی جائے، لیکن ''مفکر قرآن'' صاحب نے، ''نسک'' کی لغوی تحقیق کے دوران، ''نسک'' بمعنی ''قربانی'' و ''ذبیحہ'' کا ذکر تک نہیں کیا، حالانکہ کوئی بھی عربی لغت، اس معنیٰ سے خالی نہیں ہے۔

کتب لغت کی شہادت

ہمارے اس دعویٰ کی تائید میں، چند کتب لغات سے، مندرجہ ذیل اقتباسات پیشِ خدمت ہیں، جن سے نہ صرف یہ کہ اصل حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے بلکہ ''مفکر قرآن'' کی یکطرفہ تحقیق بھی۔

(۱) ----- اَلنُسُکُ وَالنَّسِیْکَۃُ : اَلذَّبِیْحَۃُ وَقِیْلَ النُسُکُ الدُّمُ وَالنَّسِیْکَۃُ الذَّبِیْحَۃُ تَقُوْلُ مَن فَعَلَ بِکَذَا وَکَذَا فَعَلَیْہِ النُسُکُ اَیْ دَمٌ یُھْرِیْقُہٗ بِمَکَّۃَ شَرَّفَھَا اللہُ تَعَالٰی وَاِسْمُ تِلْکَ الذَّبِیْحَۃِ النَّسِیْکَۃُ وَالْجَمْعُ نُسُکٌ وَنَسَآئِکُ [2]

اَلنُسُکُ اور النَّسِیْکَۃُ ذبیحہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''نُسُکُ'' خون کو کہتے ہیں اور النَّسِیْکَۃُ ذبیحہ کو۔ مثلاً آپ کہتے ہیں ''جس نے یہ کام کیا ہے، اس پر ''نُسُک'' لازم ہے یعنی مکہ میں خون بہانا لازم، جسے اللہ نے شرف سے نوازا ہے، اور ایسے ذبیحہ کا نام نَسِیْکَۃ ہے، اس کی جمع نُسُکٌ اور نَسَآئِکُ ہے۔

اور آگے چل کر یہ عبارت بھی موجود ہے۔

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۴۸　　[2] لسان العرب، جلد ۱۰، صفحہ ۴۹۸ تا صفحہ ۴۹۹

وَقَالَ اَبُو اِسْحٰقَ قُرِءَ "لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا وَ مَنْسِکًا " قَالَ وَالنُّسُکَ فِی هٰذَا الْمَوضِعِ یَدُلُّ عَلٰے مَعنَی النَّحْرِ کَاَنَّهٗ قَالَ جَعَلْنَا لِکُلِّ اُمَّةٍ بِاَنْ تَذْبَحَ الذَّبَائِحَ لِلّٰهِ فَمَنْ قَالَ مَنْسِکٌ فَمَعْنَاهُ مَکَانُ نُسُکٍ مِثْلُ مَجْلِسٍ مَکَانُ جُلُوسٍ وَمَنْ قَالَ مَنْسَکٌ فَمَعْنَاه الْمَصْدَرُ نَحْوَ النَّسْکِ وَالنُّسُوکِ وَغَیْرِهٖ وَالْمَنْسَکُ وَالْمَنْسِکُ الْمَوضَعُ الَّذِیْ تُذْبَحُ فِیْهِ النُّسُک وَقُرِیٔ بِهِمَا قَولُهٗ تَعَالٰی جَعَلْنَا مَنْسِکًا هُمْ نَاسِکُوهُ .... وَالمنسک الْمُذْبَحُ وَقَدْ نَسَکَ یَنْسُکَ نَسْکًا اِذَا ذَبَحَ [1]

ابواسحاق نے کہا کہ آیت کو یوں بھی پڑھا گیا لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا وَ مَنْسِکًا (یعنی لفظ مَنسک، سین پر زبر (ــَ) اور زیر (ــِ) کے ساتھ) --- اس نے کہا کہ نَسَک یہاں نَحَر کے معنٰی میں ہے (یعنی قربانی کرنا کے معنٰی میں) --- گویا یوں کہا کہ "ہم نے ہر امت کے لیے طے کر دیا ہے کہ وہ اللہ کے لیے ذبیحوں کو ذبح کرے"۔ پس، جس نے مَنْسِک (سین کے کسرہ کے ساتھ) کہا تو معنٰی یہ ہوا کہ "قربانی کی جگہ" جیسے مَجْلِس، جلوس (بیٹھنے کی جگہ)، اور جس نے مَنْسَک (سین پر فتح کے ساتھ) کہا تو اس کا معنٰی، مصدر کا معنٰی ہوا، (یعنی قربانی کرنا) جیسے نسک اور نسوک (مصدر ہیں)، اور مَنْسَک اور مَنْسِک (سین کی زبر اور زیر، دونوں کے ساتھ) اس مقام کو بھی کہتے ہیں، جس میں قربانی ذبح کی جائے، یعنی اللہ کا فرمان یوں بھی پڑھا گیا جَعَلْنَا مَنْسَکًا هُمْ نَاسِکُوهُ ...... اور مَنْسِک (سین کی زبر اور زیر، دونوں کے ساتھ) مَذْبَح (ذبح کرنے کی جگہ) کو کہتے ہیں۔

(۲) ----- "قَدْ نَسَکَ یَنْسُکُ نُسُکًا کا معنٰی یہ ہے کہ "اس نے ذبح کیا"۔ [2]

(۳) ----- نُسُکٌ النون و السین وَالکاف اَصلٌ صَحِیحٌ یَدُلُّ عَلٰے عِبَادَةٍ وَتَقَرُّبٍ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی۔ وَرَجُلٌ نَاسِکٌ - وَالذَّبِیحَةُ الَّتِی تُتَقَرَّبُ بِهَا اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی نَسِیکَةٌ وَالْمَنْسَکُ الْمَوضَعُ یُذْبَحُ فِیْهِ النَّسَآءِکُ وَلَا یَکُونُ ذَالِکَ اِلَّا فِی الْقُرْبَانِ ۔ [3]

" نسک " نون، سین اور کاف، اس کے حروفِ اصلیہ ہیں، یہ عبادت اور تقرب الی اللہ پر دلالت کرتے ہیں، (اسی سے ہے) رَجُلٌ نَاسِکٌ (عبادت گزار مرد) اور وہ ذبیحہ، جو تَقَرُّبًا اِلَی اللّٰهِ ، ذبح کیا جائے، نسیکہ کہلاتا ہے، اور منسک وہ جگہ ہے جس میں " نَسَاءِک " (قربانیاں) ذبح کی جائیں، اور یہ سب کچھ قربانی ہی میں ہوتا ہے۔

(۴) ----- اَلنُّسُکُ بالضَّمِ وَبِضَمَّتَیْنِ الذَّبِیْحَةُ اَوِالنُّسُکُ الدَّمُ وَالنَّسِیْکَةُ الذَّبِیْحُ [4]

اَلنُّسُکُ (ایک ضمہ کے ساتھ، یعنی النُّسْکُ اور دو ضموں کے ساتھ یعنی النُّسُکُ) ذبیحہ کو کہتے ہیں، اور نسک، خون کو، اور نَسِیْکَة ، ذبح کیے جانے والے جانور کو کہا جاتا ہے۔

(۵) ----- نَسَکَ یَنْسُکُ نِسْکًا وَنُسُوکًا وَنَسْکَةً وَمَنْسَکًا .... نَسَکَ لِلّٰهِ : تَطَوَّعَ بِقُرْبَةٍ وَذَبَحَ لِوَجْهِهٖ تَعَالٰی .... اَلنُّسُکُ : ما یُقَدَّمُ لِلّٰهِ تَعَبُّدًا وَزُهْدًا اَلذَّبِیحَةُ - سَبائِکُ الْفِضَّة - الدَّمُ، یُقَالُ مَنْ فَعَلَ کَذَا وَ کَذَا فَعَلَیْهِ نُسُکٌ ای دَمٌ یُهْرِیقُهٗ .... اَلنَّسِیکَةُ الذَّبِیحَةُ - اَلْمَنْسَکُ [5]

---

[1] لسان العرب، جلد ۱۰، صفحہ ۴۹۹
[2] لسان العرب، جلد ۱۰، صفحہ ۴۹۸
[3] معجم مقاییس اللغۃ، جلد ۵، صفحہ ۴۲۰
[4] القاموس المحیط، صفحہ ۳۳۲

مَنَاسِکُ : اَلْمَکَانُ الْمَاْلُوفُ وَالْمَنْسِکُ ج مَنَاسِک : شِرْعَةُ النُّسُکِ : موضع تذبح فیه النَّسِیْکَةُ [1]

نَسَکَ یَنْسُکُ کے مصادر میں نَسْکًا، نِسْکًا، نُسُکًا، نُسُوکً، نَسُکَةً وَمَنْسَکًا .... نَسَکَ لِلّٰہِ ''اس نے اللہ کے قرب کی رغبت کی، اور اس کی رضا کے لیے جانور ذبح کیا''۔ .... اَلنُّسُکُ'' جو کچھ عبادت اور زہد کے طور پر، اللہ کے حضور پیش کیا گیا، قربان کیا جانے والا جانور۔'' چاندی کے ٹکڑے'' اور'' خون'' (بھی اس کا معنیٰ ہیں)۔ کہا جاتا ہے کہ جس نے یہ کام کیا اس پر نسک واجب ہے، یعنی خون واجب ہے، جسے وہ (دورانِ ذبح) بہائے گا۔ اَلنَّسِیْکَةُ الذَّبِیْحَةُ ذبیحہ کو کہتے ہیں، اَلْمَنْسَک ، اس کی جمع مَنَاسِک ہے یعنی'' مانوس جگہ'' اور اَلْمَنْسِک کی جمع ''مَنَاسِک'' ہے یعنی (i) رسم قربانی اور (ii) وہ جگہ جہاں قربانیاں ذبح کی جائیں۔

(۶) ----- اَلنَّسِیْکَةُ مُخْتَصَّةٌ بِالذَّبِیْحَة : قَالَ فَفِدْیَةٌ مِنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْنُسُکٍ [2]

اَلنَّسِیْکَةُ ، ذبیحہ کے لیے خاص ہے (اور دلیل، اس کی یہ قرآنی آیت ہے) فرمایا: پھر فدیہ ہے روزوں میں سے یا صدقہ میں سے یا قربانیوں میں سے۔

(۷) ----- نَسَکَ فُلَانٌ ـُ نَسْکًا وَنَسُکَةً وَمَنْسَکًا : تَزَهَّدَ وَتَعَبَّدَ وَذَبَحَ ذَبِیْحَةً تَقَرَّبَ بِهَا اِلَی اللّٰہِ .... لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا وَالْمَنْسَکُ مَوضِعٌ تُذْبَحُ النَّسِیْکَةُ .... اَلنُّسُکُ کُلّ حَقٍ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَ --- الذَّبِیْحَةُ .... اَلنَّسِیْکَةُ : سَبِیْکَةُ الْفِضَّةُ الْخَالِصَةُ وَ --- الذَّبِیْحَةُ ج نُسُک وَنَسَائِکُ وَفِی التَّنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ : فَفِدْیَةٌ مِنْ صِیَامٍ اَوْصَدَقَةٍ اَوْنُسُکٍ [3]

نَسَکَ فُلَانٌ یَنْسُکُ (جملہ مصادر) کے دو معنیٰ ہیں: (i) وہ زاہد اور عبادت گزار بنا، (ii) اس نے تقربِ خداوندی کے لیے جانور ذبح کیا .... ''ہم نے ہر امت کے لیے منسک مقرر کیا یعنی ایسی جگہ مقرر کی جہاں قربانیاں ذبح کی جاتی ہیں .... النُّسُک کے دو معنیٰ ہیں۔ (i) اللہ کے جملہ حقوق، اور (ii) ذبیحہ .... النَّسِیْکَة آلائش سے پاک خالص چاندی کی ٹکڑیاں (ٹکیاں)، اور ذبح کیا جانے والا جانور - اس کی جمع نُسُک اور نَسَائک ہے۔ اس معنیٰ میں، قرآن مجید کی یہ آیت ہے، -'' فدیہ ہے روزوں میں سے، صدقہ میں سے قربانیوں میں سے''۔

(۸) ----- مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب لکھتے ہیں۔

نُسُک : رسم قربانی (پ دیکھو مناسک) [4]

پھر وہ لفظ مناسکنا کے تحت فرماتے ہیں۔

--- مَنَاسِکَنَا : اسم ظرف، جمع مضاف، مَنسِکٌ واحد - نَا ضمیر جمع متکلم مضاف اِلَیۡهِ ''ہمارے حج اور عبادت کے طریقے''، نَسَک : عبادت، پرستش نَسَکٌ : مانوس جگہ نیز نُسُکٌ اور نُسْکٌ : قربانی نَسِیکٌ : سونا چاندی نَسِیْکَةٌ : قربانی [5]

[1] المنجد، صفحہ ۸۰۶ — [2] المفردات، امام راغب، صفحہ ۴۹۱ — [3] المعجم الوسیط، جلد ۲، صفحہ

[4] لغات القرآن، جلد ۶، صفحہ ۵۰ — [5] لغات القرآن، جلد ۵، صفحہ ۴۵۲

(۹) ----- یہی نہیں بلکہ عام عربی اردو لغات میں ''نسک بمعنی قربانی'' کی وضاحت سے خالی نہیں۔

نَسَکَ لِلّٰہِ : نفلی عبادت کرنا، خدا کے نام پر ذبح کرنا۔

النُّسکُ وَالنُّسُکُ : نذر جو اللہ کے لیے پیش کیجائے، ذبیحہ۔

النَّسِیکَۃُ : ذبیحہ، سونے چاندی وغیرہ کا ٹکڑا۔

المَنسک : قربانی کی رسم، قربانی کی جگہ، قربانی۔ [1]

(۱۰) ----- بیان اللسان میں یوں مذکور ہے۔

نُسک : قربانی کے جانور، قربانی، خون۔

مَنسِک : قربانی کی جگہ، دین کا راستہ، عبادت کا طریقہ اور جگہ، جمع مناسِک [2]

''مفکر قرآن'' اور لغوی انحراف

نُسک بمعنی قربانی کے ان اقتباسات کو دیکھئے اور پھر خوب داد دیجئے ''مفکر قرآن'' صاحب کو، جنھوں نے تفسیر مطالب الفرقان (جلد سوم) میں، اس لفظ کی لغوی تحقیق کو پیش کرتے ہوئے، کس قدر شدید التزام برتا ہے کہ ''قربانی'' کے معنوں میں، یہ لفظ ان کی عبارت میں نہ آنے پائے، حالانکہ اس معنٰی و مفہوم سے کوئی لغت کی کتاب بھی خالی نہیں ہے۔

پھر یہاں ''مفکر قرآن'' کی لغوی تحقیق کے دوران، ان کا یہ ''جوہر'' بھی کھل کر سامنے آتا ہے کہ اگر ایک لفظ کے کئی معانی ہوں، تو وہ، بنیادی معنٰی اسے قرار دیتے ہیں، جسے وہ اپنے ذہنی مفہوم تک پہنچنے کے لیے، بطور زینہ استعمال کرنا چاہتے ہیں، مثلاً یہاں، یہ ملاحظہ فرمایئے کہ علامہ ابن فارس نے صراحت کے ساتھ، یہ لکھا ہے (اور حوالہ پہلے گزر چکا ہے) کہ ن-س-ک کا مادہ، عبادت اور تقرب الی اللہ پر دلالت کرتا ہے، جس میں معناً وہ ذبیحہ بھی شامل ہے جس کا خون تقربِ خداوندی چاہتے ہوئے بہایا جائے، لیکن ''مفکر قرآن'' صاحب اپنی مطلب برآری کے لیے ''ٹھیک اور درست کرنا'' کے دور خیز معانی کو تلاش کرتے ہیں، لیکن خود اہل زبان نے، انسانی معاشرے کے لیے، جن الفاظ کو کسی خاص مفہوم و مدلول کے لیے وضع کیا ہے، اسے نظرانداز کر دیتے ہیں، کیونکہ ایسا کرنا ہی، ان کے لیے، مفیدِ مطلب ہوتا ہے۔

''نسک'' سے مفہوم ''قربانی'' کے اخراج کی مفکرانہ کاوشیں

لفظ ''نُسک'' کے لغوی مفہوم سے ''قربانی'' اور ''ذبیحہ'' کا معنٰی، نکال باہر کرنے کے لیے، ''مفکر قرآن'' صاحب نے جو پاپڑ بیلے ہیں، اسے بھی ایک نظر ملاحظہ فرمالیجئے۔

قرآن کریم میں، احکام حج کے ضمن میں آیا ہے، فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَنَاسِکَکُمْ (۲/۲۰۰) ''جب تم حج کے واجبات سے فارغ ہو چکو .... اس سے ذرا پہلے ہے، فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ (۲/۱۹۶) ابن قتیبہ نے

---

[1] مصباح اللغات، صفحہ ۸۷۲ [2] بیان اللسان، صفحہ ۷۹۹، ۸۲۷

> کہا ہے کہ یہاں نسک سے مراد ذبیحے کے ہوں گے۔ ابن فارس نے بھی، اس کے معنٰی تقرب حاصل کرنے اور ذبیحہ کے لکھے ہیں، لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے معنٰی ذبیحہ کے کیوں مختص کر لیے جائیں اس سے مراد کوئی عمل خیر ہو سکتا ہے، جسے وہ اپنے اوپر واجب قرار دے لے۔ ۱

اب ساری عمر، قرآنی تحقیق میں صرف کر دینے والے، اس ''مفکر قرآن'' کو کون سمجھائے کہ --- ''جس عمل کو کوئی شخص، خود اپنے اوپر واجب قرار دے لے، لغت میں، اسے **نُسک** نہیں، بلکہ **نَذر** کہتے ہیں، چنانچہ ''نذر'' کا مفہوم، خود انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ

> نذر (نقصان سے بچنے کے لیے) جو کچھ اپنے اوپر واجب قرار دے لیا جائے، نیز کسی شرط پر کوئی وعدہ کرنا بھی، نذر کے معنوں میں داخل ہے، مثلاً کوئی شخص اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے کہ میرا بچہ تن درست ہو گیا تو میں یوں کروں گا، تو یہ نذر کہلاتی ہے، راغب نے لکھا ہے کہ کسی معاملہ کے پیش آنے پر، کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا، جو واجب نہ ہو (نذر کہلاتا ہے)۔ ۲

لیکن زیر بحث آیت (البقرہ - ۱۹۶) میں، جس فدیہ کا ذکر ہے، اسے انسان نے اپنے اوپر، خود واجب نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے، اس لیے نسک کے معنٰی ''کوئی سا عمل خیر'' کر ڈالنے کے بعد بھی، (جو لغتاً، عرفاً، شرعاً ہر لحاظ سے غلط ہے) پرویز صاحب کی بات بنتی نظر نہیں آتی۔

رہا پرویز صاحب کا، یہ فرمان کہ --- ''نسک کے معنٰی کو کیوں ذبیحہ کے لیے مخصوص کر لیا جائے اور کیوں نہ اس سے مراد ''کوئی سا عملِ خیر'' لیا جائے'' تو یہ بوجوہ غلط ہے۔

اولاً ----- اس لیے کہ قرآن، یہاں فدیہ کے طور پر، **نُسُکٌ** کے ساتھ، دو مخصوص اعمال --- صیام اور صدقہ --- کا ذکر کر رہا ہے، مطلق اعمالِ خیر میں سے، صیام اور صدقہ کو خاص کر لینے کے بعد، ''نسک'' کو اگر ''کوئی سے عمل خیر'' کے معنوں میں لیا جائے، تو یہ پہلے دونوں اعمال کی خصوصیت کو باطل کر دینے کے مترادف ہوگا، اب ''صیام'' سے مراد ''مطلق کارِ خیر''، اور ''صدقہ'' سے مراد ''مطلق نیک عمل'' نہیں ہے تو نسک سے بھی ہرگز ''کوئی سا عمل خیر'' مراد نہیں لیا جا سکتا۔

ثانیاً ----- اس لیے کہ ''صیام'' یہاں **صَامَ یَصُومُ** کا مصدر نہیں ہے بلکہ **صَومٌ** کی جمع ہے، بالکل اسی طرح جس طرح **نُسُکٌ** یہاں مصدر نہیں ہے بلکہ **نَسِیکَۃٌ** کی جمع ہے، یہی وجہ ہے کہ پرویز صاحب، نے بھی ترجمۂ آیت یوں کیا ہے۔

> فَفِدْیَۃٌ مِّن صِیَامٍ أَوْ صَدَقَۃٍ أَوْ نُسُکٍ (۲/۱۹۶)، اس کا فدیہ، روزے یا صدقہ یا ذبیحے ہوں گے۔ ۳

اب جبکہ یہ بات طے ہو گئی ہے **نُسُک** جمع ہے، تو اس کی واحد **نَسِیکَۃٌ** کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی، اور **نَسِیکَۃٌ** کے متعلق، علمائے لغت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ خاص طور پر ''ذبیحہ''، ''خون'' یا ''قربانی'' ہی کو کہا جاتا ہے، لہٰذا، عبادت کے دیگر طور طریقے، اس کے مفہوم سے خارج ہوں گے۔

> اور تو اور، خود پرویز صاحب کو بھی یہ اعتراف کرتے ہی بنی کہ **نَسِیکَۃٌ** ذبیحہ یا خون کو کہتے ہیں۔

---

۱ لغات القرآن، صفحہ ۱۶۱۵ ۲ لغات القرآن، صفحہ ۱۵۹۸ ۳ لغات القرآن، صفحہ ۱۶۱۵

راستہ اختیار کر لینے کی جہت سے کلام عرب میں منسک ہر اس مقام کو کہتے ہیں جس کی طرف آنے جانے کے لوگ، عادی ہوں، خواہ یہ خیر میں ہو یا شر میں، اس کے بعد امور و مراسمِ حج کو مناسک کہنے لگے اور نُسُک اور نَسِیکَۃٌ ذبیحہ کو یا خون کو۔[1]

اب جبکہ لغوی تحقیق سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ نسک (جو نَسِیکَۃٌ کی جمع ہے) کا معنٰی "قربانیاں" ہیں، تو سورۃ الانعام کی اس آیت کا ترجمہ قطعی واضح ہو جاتا ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ (البقرہ - ۱۶۳) آپ (اے نبی) کہہ دیجئے کہ میری نماز، اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔

لیکن پرویز صاحب، قربانی کی شدید مخالفت میں مبتلا ہو کر، لفظ نسک سے اس معنٰی کو خارج کرتے ہوئے مفہومِ آیت یوں لکھتے ہیں۔

اے رسول! ان سے کہدو کہ میرے فرائض زندگی، اور ان کے ادا کرنے کے طور طریقے مختصراً یہ کہ میری ساری زندگی حتٰی کہ میری موت بھی، خدا کے تجویز کردہ پروگرام کے لیے وقف ہے۔ [2]

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

پھر اپنے موقف کو مزید سہارا دینے کے لیے، وہ، ان علماء کے تراجم پیش کرتے ہیں، جنھوں نے، اگر چہ نسک بمعنی قربانی کا انکار نہیں کیا، لیکن حدود لغت کے اندر رہ کر، انھوں نے عبادات یا اعمالِ عبادت کو نسک کا مفہوم بیان کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

اس لفظ کا ترجمہ، مذکور صدر مترجمین نے حسب ذیل کیا ہے۔

شاہ عبدالقادر .... عبادتیں

شاہ رفیع الدین .... عبادتیں

جلالین .... عبادات میں حج (حج کی عبادات)

ابوالکلام آزاد صاحب .... میرا حج [3]

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، کہ اگر ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں تو کسی آیت میں خاص معنٰی مراد لینے کے لیے یا کسی ایک معنٰی کو ترجیح دینے کے لیے دلائل کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا، یقیناً ان چند مترجمین کے نزدیک نسک بمعنی عبادات کا معنٰی قابل ترجیح ہوگا، جبکہ ان کے مقابلہ، بہت بڑی اکثریت، اور ان سے چالیس پچاس گنا بڑی اکثریت کے نزدیک، نسک بمعنی قربانی ہی قابل ترجیح ہے، لیکن "مفکر قرآن" نے عظیم اکثریت کو نظر انداز کر کے صرف چار علماء کے تراجم کو پیش کر کے یہ تاثر دیا ہے، کہ نسک بمعنی قربانی گویا، نہ تو مترجمین کے ہاں قابل قبول ہے اور نہ ہی لغت میں، یہ موجود ہے۔

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۱۶۱۴　[2] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۴۸　[3] قرآنی فیصلے، جلد ۱، صفحہ ۸۵

لیکن میں یہاں پچاسوں علماء کی عبارتیں، ''نسک بمعنی قربانی'' پیش کرنے کی بجائے، صرف ''مفکر قرآن'' ہی کی عبارتیں پیش کرنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں، کیونکہ ؏ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری!

(۱) ----- قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

کہہ دیجئے کہ میری نمازیں، میری قربانیاں، میرا مرنا، میرا جینا، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ ۱

(۲) اسی آیت کا یہی ترجمہ ایک مقام پر، یوں کیا گیا ہے۔

کہہ دیجئے کہ میری عبادتیں اور میری قربانیاں، میرا مرنا اور میرا جینا صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ ۲

(۳) یہی ترجمہ مع آیت، ایک اور مقام پر، ان الفاظ میں موجود ہے لیکن قُل کا ابتدائی لفظ محذوف ہے۔

میری نماز اور میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ ۳

(۴) اسی آیت کو پیش کر کے، اس کا ترجمہ بایں الفاظ درج کیا گیا ہے۔

کہہ دے کہ میری نمازیں اور میری قربانیاں، میرا مرنا اور میرا جینا محض اللہ کے لیے ہے، جو تمام انسانوں کا رب ہے۔ ۴

(۵) حج دراصل تجدید عہد ایمان کا ایک عمل ہے، اس پر طلوع اسلام جو کچھ لکھتا ہے اس میں زیر بحث آیت کا ترجمہ بھی آ جاتا ہے۔

حج کے اجتماع میں فی الواقع، ایک خصوصیت ہے، اور وہ خصوصیت ہے ایک بندۂ مومن کے اس عہد و پیمان کی، جو وہ اپنے خدا سے باندھتا ہے اور جس کی تجدید حج کا نقطۂ آغاز ہے، ایک عبد مومن، اپنے خدا سے اقرار کرتا ہے کہ إِنَّ صَلٰوتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ میری نمازیں اور میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ فقط اللہ کے لیے ہے، کسی اور غرض کے نہیں۔ ۵

(۶) ایک اور مقام پر، اسی آیت کو درج کر کے، اس کا ترجمہ بایں الفاظ دیا گیا ہے۔

(اے پیغمبر اسلام) تم کہہ دو، میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ، اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام جہان کا ہے۔ ۶

(۷) ایک اور مقام پر، اسی آیت کا ترجمہ، متن کی بجائے، نیچے حاشیہ میں بایں الفاظ دیا گیا ہے۔

(کہہ دے کہ میری نماز اور میری قربانیاں، حتیٰ کہ میری زندگی اور موت، سب ایک اللہ کے لیے ہے، جو رب العالمین ہے۔ ۷

(۸) طلوع اسلام ہی کی شائع کردہ کتاب، جسے مولانا اسلم جیراجپوری کی تصنیف کے طور پر، شائع کیا گیا ہے، اس میں ترجمہ آیت، بایں الفاظ دیا گیا ہے۔

کہہ دے کہ میری قربانی، میری زندگی اور میری موت، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ ۸

(۹) طلوع اسلام میں، اسی آیت کا مفہوم و ترجمہ، الفاظِ درج ذیل میں موجود ہے۔

میری صلوٰۃ اور میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ کی رب العالمین کو عام کرنے کے لیے ہو جائے۔ ۹

---

۱ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۳۸ء، صفحہ ۱۲ ۲ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۳۹ء، صفحہ ۸۲ ۳ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۳۹ء، صفحہ ۱۹
۴ طلوع اسلام، مئی ۱۹۴۱ء، صفحہ ۷۰ ۵ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۵۷ء، صفحہ ۱۲ ۶ معارف القرآن، جلد ۲، صفحہ ۴۳۰
۷ معارف القرآن، جلد ۴، صفحہ ۱۵۴ ۸ تاریخ الامت، جلد ۱، صفحہ ۲۰۲ ۹ طلوع اسلام، مئی ۱۹۶۶ء، صفحہ ۴۲

لیجیے، پرویز صاحب کی طرف سے صرف چار علماء کے نسک بمعنی عبادت پر مشتمل اقتباسات کے مقابلے میں، خود پرویز صاحب، اور طلوع اسلام ہی سے نو اقتباسات ایسے پیش کر دیئے ہیں جن سے نسک بمعنی ''قربانیاں'' اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔

رہا لفظ مَنسَک، تو لغت کی کتابوں کے دس حوالوں سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ اس کا معنیٰ قربانی بھی ہے، ہم علماء سلف وخلف کی عبارات کو اپنی تائید میں پیش کرنے کی بجائے، پرویز صاحب ہی کا ایک اقتباس پیش کیے دیتے ہیں۔

> یہ وہ اللہ ہے جس کے سامنے جھکنا زیبا ہے اور جس کے علاوہ کوئی دیوی دیوتا، کوئی تقدیس وعزت کا پیکر انسان ایسا نہیں، جس کے سامنے جھکا جائے، یا جس کے حضور جا کر قربانیاں پیش کی جائیں۔
>
> وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِيَذْكُرُوا .... (۳۴/۲۲) اور ہم نے ہر قوم کے لیے قربانی (یا طریقِ عبادت وقربانی) کا ایک طور طریقہ ٹھہرایا، تاکہ .... [1]

ٹھیک یہی عبارت، اور آیت کے اسی ترجمہ کے ساتھ، طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۳۸ء، صفحہ ۷۷، پر بھی موجود ہے۔

لیکن بعد میں، جب پرویز صاحب کا ذہن، قربانی سے پھر گیا، تو پھر نُسُكِي کا ترجمہ ''میری قربانی'' غلط قرار پا گیا تو انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ

> إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي کے معنیٰ ''میری قربانی'' نہیں، اس لیے یہ آیت قربانی کے حکم کے لیے، بطورِ نصِ قرآنی پیش نہیں کی جا سکتی۔ [2]

اسی طرح، ''مفکر قرآن'' کی تبدیلیٔ ذہن کے ساتھ ہی، آیتِ مَنسَک کا ترجمہ بھی بدل کر، اب یہ ہو گیا۔

> ہم نے ہر قوم کے لیے، یہ طریق مقرر کر دیا تھا، کہ وہ جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا کریں۔ [3]

اسی طرح اب مَنسَک کا معنیٰ وہ قربانی نہ رہا جو عید الاضحیٰ کے موقع پر، کی جاتی ہے، بلکہ ہر روز کا وہ ذبیحہ قرار پا گیا، جو کھانے پکانے کے معمول کے طور پر، ہمارے ہاں پایا جاتا ہے، کہ اس پر خدا کا نام لے کر، اسے ذبح کیا جائے،

الغرض، سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۳ کا وہ ترجمہ، شک وشبہ سے بالاتر ہے، جو نہ صرف علماء امت (سلف وخلف) سے تواتر کے ساتھ منقول رہا ہے بلکہ خود پرویز صاحب بھی، اس کا یہی ترجمہ کرتے رہے، پھر معلوم نہیں کہ وہ اس کی تردید ومخالفت پہ کیوں تُل گئے، حتّٰی کہ اپنی تردید بھی، خود ہی کر ڈالی۔ فیا للعجب!

قربانی کی دوسری دلیل

قربانی کا ثبوت، سورۃ الکوثر کی دوسری آیت سے بھی ملتا ہے، لیکن ہمارے مفکر قرآن صاحب، اس کی تردید میں فرماتے ہیں۔

> مروجہ قربانی کی تائید میں سورۃ الکوثر کی آیت --- فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ --- بھی پیش کی جاتی ہے، اس کا ترجمہ کیا جاتا

---

[1] معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۶ [2] قرآنی فیصلے، جلد ۱، صفحہ ۸۷ [3] مفہوم القرآن (۳۴/۲۲)، صفحہ ۷۶۰

ہے، "نماز پڑھ، اپنے رب کے آگے اور قربانی کر" --- "قربانی کر" ترجمہ کیا جاتا ہے وَانْحَرْ کا
لغت کی رو سے نحر سینے کے اوپر کے حصے کو کہا جاتا ہے، صاحب تاج العروس نے مختلف تفاسیر کی سند سے وَانْحَرْ کے متعدد معانی لکھے ہیں، مثلاً (۱) نماز میں کھڑے ہو کر سینے کو باہر کی طرف نکالنا (۲) نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا (۳) نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا (۴) نماز میں نحر تک ہاتھ اٹھانا (۵) اپنے سینے کو قبلہ رخ کر کے کھڑے ہونا (۶) خواہشات کا قلع قمع کرنا۔

اونٹ کے ذبح کرنے کا طریق یہ ہے کہ کھڑے کھڑے، اس کے نحر (سینے کے اوپر کے حصے) کے قریب، حلق کی رگ پر نیزہ مارتے ہیں، اس سے نَحَرَ الْبَعِیْرَ کے معنیٰ آتے ہیں، اس نے اونٹ کو اس طرح ذبح کیا، لیکن لغت میں النحر اور النحریر کے معنیٰ ہیں، ماہر، عقلمند، تجربہ کار، ہر بات سمجھ کر اختیار کرنے والا، اور اس پر مضبوطی سے عمل کرنے والا، چنانچہ کہتے ہیں نَحَرْتُ الشَّیْئَ عِلْمًا "میں علم کی رو سے اس معاملہ پر حاوی ہو گیا"۔ [1]

لغات القرآن میں یہ معانی بیان کرنے کے بعد، آیت کا معنیٰ و مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے۔

اس لیے وَانْحَر (۲/۱۸) کے معنیٰ ہوں گے، اس پروگرام کے متعلق تمام امور پر علم و عقل اور تجربہ و بصیرت سے پوری طرح حاوی ہو کر، ان پر نہایت مضبوطی سے عمل پیرا رہو۔ [2]

"مفکر قرآن" صاحب، شاید یہ سمجھتے تھے کہ کسی قرآنی لفظ کے عربی لغات میں پائے جانے والے دس پندرہ معانی میں سے، لاٹری کے ذریعہ، کسی ایک معنیٰ کو چنتے ہوئے، اپنے خود ساختہ جملوں میں استعمال کر ڈالنے سے، قرآنی آیات کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

لغوی انحراف کا جائزہ

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وَانْحَرْ کا معنیٰ --- "علمی طور پر کسی معاملے پر حاوی ہونا" اگر کسی لغت کی کتاب سے ثابت بھی ہو، تو یہ صرف اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے، جبکہ کوئی قرینہ، اس معنیٰ کا مؤید ہو، جو مثال پرویز صاحب نے دی ہے، وہ مجھے لغت کی کسی کتاب میں نہیں مل سکی، تاہم اگر اُن کی یہ خود ساختہ مثال --- نَحَرْتُ الشَّیْئَ عِلْمًا --- درست بھی قرار دیجائے، تب بھی یہاں علماً کا قرینہ، یہ معنیٰ لینے کے حق میں ہے، لیکن سورۃ الکوثر میں سرے سے ایسا کوئی قرینہ موجود ہی نہیں ہے، لہٰذا یہاں یہ معنیٰ کسی طرح بھی مراد نہیں لیے جا سکتے۔

(۲) ----- دوسری بات یہ ہے کہ "مفکر قرآن" نے بنیادی معنیٰ کے ذریعہ، قرآنی مفردات کی تشریح و توضیح کرنے کے اپنے مزعومہ اصول کو یہاں پسِ پُشت ڈال دیا ہے، صاحب تاج العروس کے حوالہ سے، انھوں نے جو چھ معانی بیان کیے ہیں، ان پر تفصیلی کلام کی گنجائش موجود ہے، تاہم انھیں مناسب اور موزوں معانی قرار دے بھی دیا جائے، تو بھی ان چھ معانی میں نَحر بمعنی سینہ کے بالائی حصہ کا مفہومِ اساسی پایا جاتا ہے، لیکن "مفکر قرآن" کے بیان کردہ معنیٰ --- "پروگرام کے

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۴۸　　[2] لغات القرآن، صفحہ ۱۵۹۲

متعلق، تمام امور پر، علم و عقل اور تجربہ و بصیرت سے پوری طرح حاوی ہو کر، ان پر نہایت مضبوطی سے عمل پیرا ہونے" --- کے مفہوم میں تو یہ بنیادی معنیٰ سرے سے پایا ہی نہیں جاتا، حالانکہ وَانْحَرْ کے ترجمہ --- "تو قربانی کر" --- میں، یہ بنیادی مفہوم بدرجہ اتم موجود ہے بالخصوص، اونٹ کی قربانی، تو نحر پر نیزہ مار کر، ذبح کرنے کی صورت ہی میں کی جاتی ہے۔

(۳) ----- تیسری بات یہ کہ النّحر اور النّحریر سے، اپنے مزعومہ معانی اخذ کرنا، صرف اسی صورت میں ممکن تھا، جبکہ النّحر اور النّحریر سے واقعتاً فعل ماضی، فعل مضارع یا فعل امر وغیرہ بنانے کا عمل، اہل عرب اور کتب لغات میں پایا جاتا ہو، جبکہ ایسی کسی مثال کا پیش کیا جانا، قطعاً ممکن نہیں ہے۔ نَحر مصدر سے مطلق نَحرَ فُلَانٌ بولا جائے، تو اس سے ہر شخص یہی سمجھے گا کہ "فلاں نے اونٹ کی قربانی کی" --- اور فعل امر اِنْحَرْ سے بھی یہی مفہوم ہو گا کہ "تو قربانی کر"، لیکن النّحر اور النّحریر کے الفاظ سے اس قسم کے افعال کی نظیر پیش کرنا ممکن نہیں ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے "مفکر قرآن" کی عربی زبان سے واقفیت کس قدر سطحی تھی۔

(۴) ----- چوتھی بات یہ ہے کہ اِنْحَرْ کا فعل امر، نَحر کے مصدر سے ہے، جبکہ النّحر اور النّحریر کا معنیٰ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ سرے سے مصدر ہیں ہی نہیں، بلکہ یہ اپنے اندر اسم فاعل کا معنیٰ رکھتے ہیں۔ اب "مفکر قرآن" کا اسے مصدر قرار دینا --- اور پھر اس سے اِنْحَرْ کا فعل مراد لینا --- اور پھر اس سے مزعومہ معانی کشید کرنا --- یہ سب کچھ ایک دیوار کج پر مسلسل ٹیڑھے ردّے جماتے چلے جانے کے مترادف ہے۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود، ہمارے "مفکر قرآن" صاحب، وَانْحَرْ کے ترجمہ "قربانی کر" کو رد کرتے ہوئے، اپنے خود ساختہ "ماڈرن ترجمہ" پیش کرنے کے بعد، فرماتے ہیں۔

> یہ ہے ہماری بصیرت کی رو سے، اس سورہ میں وَانْحَرْ کا مفہوم، اس سے مروجہ قربانی کی سند لینا، بعید از کار سی بات ہے۔ [۱]

لیکن ایک وقت تھا، کہ "مفکر قرآن" صاحب، خود بھی یہی "بعید از کار سا" ترجمہ کیا کرتے تھے۔

> فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲/۱۰۸) لہٰذا اپنے رب کے لیے نماز قائم کرو اور قربانی کرو۔ [۲]

قرآن وہی، اس کے الفاظ وہی، لیکن "مفکر قرآن" کا ترجمۂ آیات بدلتا رہا، کیوں؟ اس لیے کہ قرآنی ترجمہ، بلکہ خود قرآن بھی، ہمیشہ ان کے افکار و نظریات کے تابع ہی رہا، اور ان کے افکار و نظریات، وہ چیز تھے، جو ہمیشہ تغیر پذیر رہے۔

قربانی اور پرویز صاحب کا شروط ثلاثہ

"مفکر قرآن" نے قربانی کی بحث کو جاری رکھتے ہوئے، یہ فرمایا ہے کہ

> اگر وَانْحَرْ سے مراد بالضرور "قربانی" لینا ہے تو قرآن کریم کی رو سے ان شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہو گا۔ [۳]

اس کے بعد، انھوں نے تین شرطیں بیان کی ہیں، ہم ان میں سے ہر شرط کا جائزہ لے رہے ہیں۔

---

[۱] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۴۹　[۲] معارف القرآن، جلد ۴، صفحہ ۳۶۹　[۳] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۴۹

پہلی شرط

''مفکرِ قرآن'' کی پہلی شرط، ان الفاظ میں مذکور ہے۔

ایک تو یہ نحر صرف اونٹ ذبح کرنے کو کہتے ہیں، کسی اور جانور کے ذبح کرنے کو نہیں، اس لیے قربانی صرف اونٹوں کی دی جائے گی۔ [1]

جائزہ

ہاں! یہ درست ہے کہ ''نحر'' اونٹ ذبح کرنے کو کہتے ہیں، لیکن ذبح اونٹ کا بطور خاص حکم دینے سے، دوسرے جانوروں کو ذبح کرنے کی نفی کیسے ہوگئی؟ اگر آپ کسی مہمان سے یہ فرمائیں کہ --- ''دودھ نوش فرمائیے'' --- تو کیا اس پر دودھ کی تخصیص سے پانی اور چائے وغیرہ پینے کی نفی لازم آئے گی؟ اب اگر ''نحر'' میں اونٹ کی قربانی، دیگر جانوروں کی قربانیوں کے لیے عدمِ جواز کی دلیل ٹھہرتی ہے، تو اسی بناء پر قرآن میں، ممانعت خمر کے حکم کو، دیگر اشیاء کی عدم ممانعت کی دلیل ہونا چاہئے، لیکن خود ہمارے ''مفکر قرآن'' صاحب، ممانعتِ خمر اور حرمتِ شراب کے حکم میں وہ اشیاء بھی داخل کرتے ہیں، جن پر سرے سے ''پینے کے فعل'' کا اطلاق ہی نہیں ہوتا، چنانچہ حرمت خمر کے حکم میں، ''مفکر قرآن'' کی طرف سے یہ مضحکہ خیز تشریحات بھی ملاحظہ فرمائیے۔

خمر وہ ہے جس سے انسان کی عقل وفکر، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت، مسلوب و مضمحل ہو جائے، آپ سوچئے کہ اس میں کیا کیا باتیں نہیں آ جاتیں؟ سب سے پہلے تو ''مذہب'' ہے جس میں سوچنے سمجھنے کو گناہ اور ابلیس کی روش قرار دیا جاتا ہے۔ [2]

لیکن یہ کس کی مجال تھی کہ ''مفکر قرآن'' سے یہ استفسار کرتا کہ --- ''جناب! جب نحر کی قربانی میں، اونٹ کے سوا، کوئی اور قربانی شامل نہیں ہے، تو ممانعت شراب میں ''مذہب پینے'' کی ممانعت کیسے داخل ہوگئی؟'' اور جس طرح آپ شراب پینے کی حرمت کے حکم میں ''مذہب پینے'' کی حرمت کو داخل کرتے ہیں، اسی طرح، اگر کوئی شخص، اونٹ کی قربانی کو نحر کی بناء پر، اور دیگر جانوروں کی قربانی کو ''نسک'' کی بناء پر اختیار کرتا ہے تو وہ موردِ الزام کیوں ہو؟

مصلحتِ ذبحِ اونٹ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سابقہ بحث کی روشنی میں، اگر ''نسک'' سے مراد مطلق قربانی ہے، تو آخر سورۃ الکوثر میں، خاص طور پر ''نحر'' کے لفظ سے اونٹ کی قربانی کا حکم کیوں دیا گیا؟ تو اس کا جواب، ہم اپنی طرف سے دینے کی بجائے، خود پرویز صاحب ہی کی ایک تحریر سے پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

ہجرت کے بعد، جب رسول اللہ، مدینہ تشریف لائے، تو حالت یہ تھی، کہ مسلمانوں کی جماعت (انصار و مہاجرین دونوں) غریب اور کمزور تھی، اور مدینہ میں یہود کا بڑا زور تھا، ایسے حالات میں کمزور جماعتیں، ہمیشہ طاقتور جماعتوں کے سہارے

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۵۰ [2] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۳۲۱

ڈھونڈتی ہیں اور اس کے لیے اپنے اصولوں تک کو قربان کر دیتی ہیں، یہودیوں کے ہاں اونٹ حرام تھا، اور مسلمانوں کے ہاں حلال۔ وہ اونٹ کے ذبیحہ کو قابل اعتراض سمجھتے تھے، وہ مدینہ میں اپنی قوت کی بناء پر سمجھتے تھے کہ مسلمان ان سے دب کر رہیں گے، اور اونٹ ذبح کرنے سے محتاط رہیں گے، قرآن کریم نے عین اس مقام پر حکم دیا کہ "مدینہ میں اونٹ ذبح کرو"۔ یعنی دین کے معاملہ میں یہودیوں سے مفاہمت کا خیال نہ کرو"۔ [1]

یہ تھی وہ خاص مصلحت، جس کے پیشِ نظر، قرآن نے "نحر" کا لفظ بول کر، خاص طور پر "اونٹ کی قربانی" کا حکم دیا ہے، ورنہ "نسک" کے لفظ میں، دیگر جانوروں کی قربانی کا حکم پہلے ہی شامل ہے۔ اونٹ کے حکمِ ذبح کی مصلحت کو واضح کرتے ہوئے، خود "مفکرِ قرآن" نے یہاں "وَانحر" کا ترجمہ "اونٹ ذبح کرو" کیا ہے، یہاں ان کی یہ ثنویت بھی قابل غور ہے کہ جب چاہا تو وَانحر کا ترجمہ یہ کر دیا کہ --- "اس پروگرام کے متعلق، تمام امور پر، علم و عقل اور تجربہ و بصیرت سے پوری طرح حاوی ہو کر، ان پر نہایت مضبوطی سے عمل پیرا رہو" --- اور جب جی چاہا تو ترجمہ یہ فرما دیا کہ "اونٹ ذبح کرو" اور اس حکم کی مصلحت بھی واضح کر دی کہ ذبحِ اونٹ سے یہود کی مخالفت مقصود ہے، تاکہ ان کے ساتھ مفاہمت کا خیال تک اہل ایمان کے دلوں میں نہ آنے پائے۔

پھر یہاں، یہ امر بھی واضح ہے کہ مدینہ میں "اونٹ کی قربانی کرو" کے حکم کا اتباع محض اِکّا دُکا افراد، اپنی انفرادی حیثیت میں کرتے، تو اس سے وہ مقصد ہرگز پورا نہ ہو سکتا تھا، جس کے لیے یہ حکم دیا گیا تھا، مقصودِ پیشِ نظر کی روشنی میں، یہی بات تو قرینِ قیاس تھی، کہ اس حکم پر عمل، اجتماعی طور پر، جماعتی حیثیت میں، ایک ہی وقت میں کیا جاتا، تاکہ ایک طرف، یہ عمل یہود کی مخالفت کے باعث، اُن سے مفاہمت کے ہر خیال کو، اہل ایمان کے دل و دماغ سے نکال دیتا، تو دوسری طرف، ایک ہی وقت میں، انجام پانے والا یہی عمل، مسلمانوں کی شان و شوکت کا مظہر بھی قرار پاتا، اور اجتماعی قربانی کا ایک ہی وقت فطرتاً وہی ہو سکتا تھا، جب حرم میں، حج کے موقع پر، قربانیاں ہو رہی ہوں، اور یہی عملاً نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کیا بھی گیا، پس اس صورتحال میں قربانی صرف کعبہ ہی میں نہیں بلکہ خارج از کعبہ بھی، ایک دینی شعار کی حیثیت سے مدینہ میں آغاز پذیر ہوئی اور پھر جوں جوں اسلام کا دائرہ پھیلتا چلا گیا، قربانی بھی اسی نسبت سے بیرونِ حرم، تواتر و تسلسل کے ساتھ پھیلتی چلی گئی۔

دوسری شرط

"مفکرِ قرآن" نے قربانی کے جواز کو جس دوسری شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے، وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے۔

قرآن کریم نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کا مقام، خانہ کعبہ کو قرار دیا ہے، اس لیے یہ قربانی، حج کے مقام پر کی جائے گی۔ [2]

جائزہ

انتہائی مقامِ افسوس ہے کہ پرویز صاحب، بزعمِ خویش، عمر بھر قرآن کے تحقیقی مطالعہ میں مستغرق رہنے کے باوجود بھی، یہ نہ جان پائے کہ کعبہ میں کی جانے والی قربانیوں، اور خارج از کعبہ، دیگر مقامات پر کیجانے والی قربانیوں میں کیا فرق ہے؟ اول

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۱۵۹۲

[2] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۵۰

الذکر قربانیوں کے لیے، قرآن ''ہدی'' کا لفظ استعمال کرتا ہے خواہ یہ کسی جنایت کی پاداش میں ہو یا مناسکِ حج کے طور پر ہو۔

ہدی نسک اور نحر کا باہمی فرق

جبکہ ثانی الذکر قربانیوں کے لیے، وہ ''نسک'' اور ''نحر'' کا لفظ استعمال کرتا ہے، البتہ ''نسک'' کے لفظ کا اطلاق، خارج از حرم، قربانیوں کے علاوہ، اس ''خون'' پر بھی کیا جاتا ہے جو کسی مجبوری کے باعث، سر منڈوا دینے کی رعایت پانے پر، بطور شکرانہ کے واجب قرار پائے، اگر کوئی قربانی، مرض یا تکلیفِ رأس کے باعث، مجبوراً سر منڈوا دینے کے باعث لازم قرار نہیں پائی تو اس کا مقام ومحل، خارج از حرم ہے جبکہ ''ہدی'' خاص طور پر، اس قربانی کو کہا گیا ہے، جس کا مقام ومحل، بیت العتیق ہے، قرآن پاک کی درج ذیل آیات، اس پر شاہد ہیں۔

(۱) --- فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ (البقرہ-۱۹۶) اور اگر تم گھر جاؤ تو ''ہدی'' (حرم میں کی جانے والی قربانی) میسر آئے، اسے اللہ کے حضور پیش کردو اور سر نہ منڈاؤ، یہاں تک کہ ''ہدی'' اپنے ٹھکانے پہنچ جائے۔

(۲) --- هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ (الفتح-۲۵) وہی لوگ تو ہیں، جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور ''ہدی'' کے جانوروں کو قربانی کی جگہ نہ پہنچنے دیا۔

(۳) --- هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (المائدہ-۹۵) یہ قربانی، کعبہ کو پہنچنے والی ہو۔

ان آیات میں، اس امر کی تصریح ہے کہ ''ہدی'' سے مراد، وہ ''قربانیاں'' ہیں جن کا مقام ومحل، حرمِ کعبہ ہے۔ ان آیات کے علاوہ، یہ لفظ، جہاں بھی استعمال ہوا ہے، ''حرم کی قربانیوں'' ہی کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔

الغرض، قرآن کریم نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ''ہدی'' کا اطلاق، صرف ان ''قربانیوں'' پر ہوتا ہے، جو حدودِ حرم میں کی جائیں، جبکہ ''نسک'' و ''نحر''، مطلق قربانی کو کہتے ہیں۔ ''نسک'' کے کعبہ میں کیے جانے کی صورت، صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ یہ قربانی، اس رعایت کے شکریئے کے نتیجہ میں واجب ہو جبکہ حالتِ مرض یا تکلیفِ رأس کے باعث، مُحرِم، سر نہ منڈوانے کی پابندی پر قائم نہ رہ سکے، (یہ بہر حال ایک ایسی مجبوری ہے جو اس کے ارادہ واختیار سے، اس پر وارد نہیں ہوئی)۔

اب جبکہ، قرآن کریم، درونِ حدودِ حرم اور بیرونِ حرم کی جانے والی قربانیوں میں واضح فرق وامتیاز قائم کرتا ہے، تو کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان فروق وامتیازات کو بالائے طاق رکھ کر، یہ حکم جاری کرے کہ --- ہدی کی قربانی ہو، یا نسک ونحر کی قربانی، ہر ایک کا مقام، کعبہ ہی ہے --- صرف قرآن ہی نہیں بلکہ لغاتِ عرب بھی، ان دونوں قسم کی قربانیوں میں فرق وامتیاز کرتے ہوئے، صرف ''ہدی'' کو مقامِ حرم سے وابستہ کرتی ہیں، جیسا کہ خود پرویز صاحب بھی لکھتے ہیں۔

هَدْىٌ اور هَدِىٌّ اس جانور کو کہتے ہیں، جو حج کے موقع پر بیت اللہ پر ذبح کرنے کے لیے، لے جاتے ہیں۔[1]

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۱۷۵۶

اور یہ فرق، اتنا واضح ہے کہ عرف عام میں بھی اس کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''لِلّٰہِ عَلَیَّ الْھَدْیُ'' (مجھ پر اللہ کے لیے ''ہدی'' لازم ہے) تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ قائل پر ایسی قربانی لازم ہے، جو حرم کعبہ میں کی جائے گی، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''لِلّٰہِ عَلَیَّ النَّسِیْکَۃُ'' (مجھ پر، اللہ کے لیے ذبیحہ یا خون لازم ہے) تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ جو ''خون'' ، ''ذبیحہ'' یا ''قربانی'' قائل پر لازم ہے، وہ جہاں چاہے کردے، حرم کی حدود میں اس کا کرنا، لازم اور واجب نہیں ہے، لہٰذا، پرویز صاحب کا، ہر قسم کی قربانی کے متعلق، یہ شرط عائد کرنا کہ اسے حرم کعبہ ہی میں کیا جائے، نہ صرف یہ کہ خلافِ قرآن ہے، بلکہ لغاتِ عربیہ کے بھی خلاف ہے۔

''مفکرِ قرآن'' کے موقف کا باطل اور بے بنیاد ہونا، اس امر سے بھی واضح ہے کہ اگر ہر قسم کی قربانی کا مقام و محل، کعبہ ہی ہو، تو مدینہ میں، اہل ایمان کے لیے، عین یہودیوں کے گڑھ میں ''اونٹ ذبح کرو'' کا حکم بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا ہے، کیونکہ مدینہ میں یہودیوں کا زور تھا، اور مدینہ ہی میں، اونٹ ذبح کرنے سے، ان کی مخالفت لازم آتی تھی، مقام حرم میں تو ہر قسم کی قربانی، عہد جاہلیت ہی سے ہوتی آئی تھی، اس لیے مسلمان، وَانْحَرْ کی اطاعت میں، اونٹ کی قربانی، مدینہ میں، اگر نہیں کرتے تھے، اور صرف حدودِ حرم ہی میں کرتے تھے، تو ایسی مخالفت قطعی بے فائدہ اور بے اثر ہوتی۔ آپ خود سوچیے! کہ ہندوؤں کے ہاں گائے کی قربانی ممنوع ہے جبکہ مسلمانوں کے ہاں حلال و جائز ہے، اب اگر مسلمان، ہنود کی مخالفت میں، گائے کی قربانی، بھارت میں کرنے کی بجائے، بیرونِ ہند کرتے پھریں تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟

''ہدی'' اور پرویز صاحب

''ہدی'' کا لفظ، جو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے، اس کے متعلق، پرویز صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

> ہدی جمع ہے ھَدِیَّۃٌ کی، جس کے معنیٰ ہیں تحفہ، خود قرآن میں ہے بَلْ اَنْتُمْ بِھَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ (۲۷/۳۶)۔ اس لیے ضروری نہیں کہ ہدی صرف قربانی کے جانور ہی ہوں۔ [1]

اس چھوٹے سے اقتباس میں ''مفکرِ قرآن'' صاحب نے تین لغزشوں کا ارتکاب کیا ہے۔

(۱) ہدی جمع ہے۔

(۲) ھَدِیَّۃٌ، جس کا معنیٰ تحفہ ہوتا ہے، اس کی ہی جمع ہدی ہے۔

(۳) ضروری نہیں کہ ہدی صرف قربانی ہی کے جانور ہوں۔

پہلی لغزش

پرویز صاحب کی پہلی لغزش یہ ہے کہ انھوں نے ہدی کو جمع قرار دیا۔ افسوس کہ جو شخص، اٹھتے بیٹھتے، اپنے آپ کو قرآنی تحقیق میں، عمر کھپا دینے والا محقق ظاہر کرتا رہا، اس نے ''ہدی'' کے واحد یا جمع ہونے کا فیصلہ قرآنی اساس پر نہیں کیا بلکہ کسی

---

[1] قرآنی فیصلے، جلد ۱، صفحہ ۸۰

کتاب میں ایسا دیکھا اور مکھی پر مکھی مارتے ہوئے ''ھدی'' کو جمع قرار دے ڈالا، حالانکہ کتاب اللہ نے، اُسے جمع نہیں بلکہ واحد قرار دیا ہے، قرآنی آیات، اس پر شاہد ہیں۔

۱ --- حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ یہاں تک کہ حرم کی قربانی، اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے۔

۲ --- هَدْیًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ ہدی'' کعبہ کو پہنچنے والی ....

۳ --- وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا أَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ہدی جو اپنے ٹھکانے پر پہنچنے سے روکی گئی۔

ان آیات میں یَبْلُغَ، بَالِغَ، مَعْكُوْفًا اور مَحِلَّهٗ میں ضمیر مُضاف اِلَیہ، یہ سب واحد کے صیغے ہیں، جو ''ہدیٰ'' کے واحد ہونے کی دلیل ہیں۔ اگر ھدی جمع ہوتی، تو یَبْلُغَ کی بجائے تَبْلُغَ، بَالِغَ کی بجائے بَالِغَةً، مَعْكُوْفًا کی بجائے مَعْكُوْفَةً اور مَحِلَّهٗ کی بجائے مَحِلَّهَا کے الفاظ ہوتے۔ لہٰذا، پرویز صاحب کا ''ہدیٰ'' کو، محض کسی کتاب کی بناء پر، جمع قرار دینا، اسی تقلیدی روش اور ''اندھے کی لاٹھی کا سہارا لینے'' کا نتیجہ ہے، جس کی تردید کرتے ہوئے وہ فخر محسوس کیا کرتے تھے۔

دوسری لغزش

''مفکرِ قرآن'' کی دوسری لغزش یہ ہے کہ وہ هَدِیَّةٌ کی جمع ''هَدْی'' کو سمجھتے ہیں، هَدِیَّةٌ کی جمع، قرآن پاک میں استعمال نہیں ہوئی، لہٰذا اس کے لیے کتبِ لغت کی طرف رجوع ناگزیر ہے، اور کتبِ لغت میں هَدِیَّةٌ کی جمع، تین طرح وار ہوئی ہے، هَدَایَا – هَدَاوِی اور هَدَاوٍ

پھر ''مفکرِ قرآن'' صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر هَدْیٌ واقعتاً هَدِیَّةٌ ہی کی جمع ہوتی، تو اس کی یاء مشدّد ہوتی، یعنی وہ هَدْیٌ کی بجائے هَدِیٌّ ہوتی۔ لیکن قرآن کریم میں، یہ لفظ جہاں بھی آیا ہے، بغیر کسرۂ دال اور بغیر یائے مشدّد کے آیا ہے، ہر جگہ، ''سکونِ دال'' اور ''تخفیفِ یا'' ہی کے ساتھ (هَدْیٌ) مذکور ہے۔ اس لیے هَدِیَّةٌ اور هَدْیٌ کو محض مشابہتِ لفظی کی بناء پر، واحد جمع کے رشتے میں منسلک کرنا، نری کوتاہ نظری اور جہالت ہے، ہاں، البتہ هَدْیٌ کا ترجمہ، اسم جنس کے طور پر، جمع کی صورت میں بھی ممکن ہے، اہلِ علم نے بھی، اسے اس طرح استعمال کیا ہے، لیکن بجائے خود، لفظ هَدْیٌ، کتاب اللہ کی روشنی میں جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔

تیسری لغزش

''مفکرِ قرآن'' کی تیسری لغزش یہ ہے کہ ان کے نزدیک --- ''یہ ضروری نہیں کہ هَدْیٌ صرف قربانی کے جانور ہی ہوں'' --- حالانکہ هَدْیٌ کا اطلاق، لُغۃً، عُرفاً اور شرعاً ہوتا ہی قربانیوں کے اُن جانوروں پر ہے، جو حرم میں ذبح کیے جائیں، اس پر پہلے تفصیل سے بحث ہو چکی ہے، حتّٰی کہ خود، پرویز صاحب کی لغات القرآن میں بھی، هَدْیٌ سے مراد، ''بیت اللہ میں ذبح ہونے والے، قربانی کے جانور'' ہی لیے گئے ہیں، یہی معنٰی دورِ نزولِ قرآن میں متداول تھے، ہم موصوف کا یہ اقتباس، تکرار کی کوفت کے باوجود، دوبارہ ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔

هَدْیٌ اور هَدِیٌّ اس جانور کو کہتے ہیں، جو حج کے موقع پر بیت اللہ پر ذبح کرنے کے لیے، لے جاتے ہیں۔ [1]

اس کے بعد بھی، یہی رٹ لگائے جانا، کہ ''ضروری نہیں کہ ہدی صرف قربانی کے جانور ہی ہوں'' ایک ہیجا ہٹ دھرمی ہے، جس کی پشت پر، تحقیق حق کا کوئی مخلصانہ جذبہ نہیں، بلکہ مخالفتِ قربانی کا معاندانہ جذبہ کام کر رہا ہے۔

اب چونکہ ''مفکر قرآن'' صاحب کا ذہن، قربانی کے خلاف ہو گیا ہے، اور وہ قربانی کا خون بہانا پسند نہیں کرتے، اس لیے ان کی کوشش یہ ہے کہ ان کے ذہنی تغیر کے ساتھ، خود قرآن بھی بدل جائے، اس نظریۂ ضرورت کے تحت، اب ھدی سے قربانی کاوہ جانور مراد لینے کی بجائے، جس کا مقامِ ذبح، حدودِ حرم ہے، وہ ''کوئی ساتحفہ'' مراد لے رہے ہیں، جسے حرم میں بھیجا جا سکے، اب هَدْیٌ کی ایک ''نئی تحقیق'' ان الفاظ میں سامنے آ رہی ہے۔

> ضروری نہیں کہ ھدی صرف قربانی کے جانور ہی ہوں، فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کر دیا ہے، یعنی تحائف میں سے جو کچھ بھی میسر آ جائے، اسے کعبہ بھیج دے تاکہ وہاں جمع ہونے والوں کے کام آئیں، عربوں کے ہاں بہترین تحائف ان کے جانور تھے، اس لیے وہ جانوروں کو بطور تحائف پیش کرتے تھے، لیکن ضروری نہیں کہ تحائف، صرف جانور ہی ہوں۔ [2]

یوں ''مفکر قرآن'' صاحب، اپنے بدلتے ہوئے ذہن کے مطابق، قرآن کو تغیر و تبدل اور ترمیم و تحریف کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔

قربانی کی تیسری شرط اور اس کا جائزہ

قربانی کو ''مفکر قرآن'' صاحب نے، جس تیسری شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے، وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے۔

> قرآن کریم نے بالتصریح کہا ہے کہ اس سے مقصد یہ ہے کہ ان کا گوشت، تم خود بھی کھاؤ اور وہاں کے محتاجوں کو بھی کھلاؤ، لہٰذا صرف اتنے اونٹ ذبح کیے جائیں، جن کا گوشت کھانے کے کام آ سکے، بنا بریں، جس طرح، آج کل، حج کی تقریب پر، لاکھوں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں ذبح کر کے زمین میں دبا دی جاتی ہیں اور تمام دنیا میں عید الاضحیٰ کی تقریب پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں، قرآن کریم سے اس کی تائید کسی طرح بھی نہیں ہوتی۔ [3]

پرویز صاحب کی اس شرط کا جائزہ ہم کئی پہلوؤں سے لے رہے ہیں۔

جائزے کا اولین پہلو

سب سے پہلی بات تو یہ غور طلب ہے کہ انھوں نے حج کے عالمگیر اجتماع میں قربانیوں کا مقصد محض ''ضیافت خوری'' قرار دیا ہے، چنانچہ ان کی ساری گفتگو کا مرکزی نقطہ یہی قرار پاتا ہے کہ ''اجتماع حج'' محض ''گوشت خوری'' کی ایک پارٹی ہے، تو اس پارٹی میں، اتنے ہی جانور ذبح کیے جانے چاہئیں جو افراد اجتماع کا پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہوں، انھوں نے اپنے اس نقطۂ نظر کی کئی جگہ وضاحت کی ہے۔

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۱۷۵۶ [2] قرآنی فیصلے، جلد ۱، صفحہ ۸۰ [3] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۵۰

نمائندگانِ ملتِ اسلامیہ کے عالمگیر اجتماع میں، ہدی کی قربانی اس لیے ہے کہ وہاں لوگ ایک دوسرے کی دعوت کریں۔ [1]

ایک اور مقام پر مشعر حرام کی تشریح کرتے ہوئے، لکھتے ہیں کہ:

مشعر کے معنٰی ہیں وہ مقام جہاں عقل وشعور کی رو سے معاملات پر بحث وتمحیص کی جائے، اور چونکہ ان معاملات کا تعلق نظام خداوندی سے ہوگا، اس لیے اسے حرام یعنی واجب الاحترام بھی قرار دیا، یہاں یہ نمائندگان حسب ضرورت دو یا تین دن قیام کریں گے، اس پروگرام کی عملی جزئیات اور ان کے سلسلہ میں باہمی تعاون وتناصر کے سلسلے میں، بحث وتمحیص بھی ہوگی، اور ایک دوسرے کی ضیافتیں بھی --- آج دوپہر کا کھانا نمائندگانِ پاکستان کی طرف سے، رات کا کھانا، اہل افغانستان کی طرف سے (وقس علے ذالک)، ان ضیافتوں کے لیے، وہ جانور ذبح ہوں گے جنھیں یہ لوگ، اس مقصد کے لیے، ساتھ لائے تھے، یا جو دوسرے لوگوں نے تحفۃً بھیجے تھے۔ [2]

قربانی کی حیثیت کے بارے میں، علماء امت اور ہمارے ''مفکر قرآن'' کے نقطۂ نظر میں، یہ بنیادی اختلاف ہے کہ علماء کرام کے نزدیک، یہ اجتماع سراسر ایک تعبّدی امر ہے جس کی انجام دہی کے لیے، دنیا بھر کے مسلمان، بیت اللہ کا قصد کر کے آتے ہیں، جبکہ ''مفکر قرآن'' کے نزدیک حج کا اجتماع ''گوشت خوری'' کی ایک بین الاقوامی پکنک پارٹی ہے، فریضۂ حج کا مقصد ہی دراصل، ان تعبدی امور کو بجالانا ہے، جنھیں قرآن نے مناسکِ حج کہا ہے لیکن ''مفکر قرآن'' کے نقشۂ حج میں، سوائے گوشت خوری اور پروگرام سازی کے اور کوئی ایسی بات نہیں جسے مناسک حج کہا جاسکے، حالانکہ قرآن نے حج کو، خدا کا ایک ایسا حق قرار دیا ہے، جو بندوں پر عائد کیا گیا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران-۹۷) اور لوگوں پر خدا کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے، وہ اس کا حج کرے۔

پھر مشرکین کے برعکس، جو غیر اللہ کے استھانوں پر جانوروں کی قربانی دیتے ہیں، اہل ایمان کو یہ حکم ہے کہ وہ آستانۂ خداوندی پر آ کر، ان جانوروں کی قربانی دیں، جو کسی غیر اللہ کی نہیں، بلکہ خود خدا ہی کی پیدا کردہ مخلوق ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی یا طریقۂ قربانی مقرر کیا تاکہ لوگ اپنے جانوروں (بہمۃ الانعام) پر اللہ کا نام لیں (اور انھیں ذبح کریں)۔

اور جب یہ قربانی دے لیں، تو اس میں سے خود بھی کھائیں اور تنگدست فقراء کو بھی کھلائیں، --- الغرض، قربانیوں کا اصل مقصد، رضائے الٰہی کی طلب میں، خدا کی عطا کردہ حیوانی دولت کو، اسی کے نام پر ذبح کرنا ہے۔ کھانا اور کھلانا وہ اولین مقصد نہیں ہے جس کے لیے، یہ قربانی لازم کی گئی ہے، جیسا کہ ہمارے ''مفکر قرآن'' نے سمجھا ہے، پس جب قربانی وحج کی یہ حیثیت واضح ہوگئی کہ یہ کوئی ''اکل لحم'' کا بین الاقوامی ''جشنِ ضیافت'' نہیں ہے جس میں شرکت کے لیے چار دانگ عالم سے ''گوشت خوروں'' کی ٹولیاں، سوئے حرم آ رہی ہیں، بلکہ یہ زائرینِ بیت اللہ کا وہ اجتماع ہے، جس میں بیت اللہ کا قصدِ زیارت

---

[1] قرآنی فیصلے، جلد ۱، صفحہ ۱۰۳
[2] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۴۱

کرنا، سوئے حرم روانہ ہونا، مناسک حج ادا کرنا، اور قربانیاں کرنا بجائے خود عبادت ہے، جس کا مقصد حصولِ رضائے الٰہی اور تقرب خداوندی ہے، جب حج اور قربانی کا اصل مقصد یہ قرار پایا تو اس بات کی کوئی اہمیت نہ رہ گئی کہ اس سے کس کس کا پیٹ بھرا؟ بلکہ پیٹ بھرا بھی یا کہ نہیں؟ یہاں آنے کا مقصد ذبیحوں کے ذریعہ اور دیگر مناسکِ حج کی ادائیگی کے ذریعہ، رضائے الٰہی اور تقرب خداوندی کا حصول ہے، لہٰذا یہاں اصل اور بنیادی حیثیت، اس بات کو حاصل نہیں ہے، کہ کتنے لوگوں کی خاطر، کام و دہن کی لذت کا سامان فراہم کیا گیا، بلکہ اس بات کو حاصل ہے کہ طلب رضائے الٰہی میں کتنی نُسُک (قربانیاں) دی گئیں؟ اور کس خلوص وللّٰہیت سے دی گئیں، اس لیے کہ:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج-۳۷) اللہ تعالیٰ کو، ان قربانیوں کے نہ گوشت پہنچتے ہیں اور نہ خون، مگر اسے تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

جائزے کا دوسرا پہلو

حج میں ہر شخص، قربانی کرتا ہے، عام حالات میں، اگر ہر شخص، ایک ایک قربانی بھی کرے تو بھی گوشت اس قدر رہو جاتا ہے کہ شکم سیری کے بعد بھی بچ جاتا ہے، اس بچے ہوئے گوشت کو دیکھ کر، خدا کے حکم میں ترمیم کرتے ہوئے، بعض لوگوں پر سے اس قربانی کو ساقط نہیں کیا جاسکتا جسے خدائے قدوس نے شعائر اللہ قرار دیا ہے، اور جسے توحید فی العبادت اور توحید فی الاعتقاد کا سبب قرار دیا ہے، لوگوں کے پیٹوں میں یہ گوشت جائے یا نہ جائے، خدا کے بندوں کو اس جذبۂ تشکر کے اظہار سے روکا نہیں جاسکتا، جو خدا کی بخشی ہوئی حیوانی دولت کو، اسی کے نام پر ذبح کرنے کے لیے، انھیں تہِ دل سے شوق و رغبت دلاتا ہے، قربانی کے گوشت کو شکم سیری کی روشنی میں، معاشی ترازو میں تول کر نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ اعتقاد و عبادت کے اس ترازو میں وزن کر کے دیکھا جائے گا، جو توحید ربوبیت اور توحید عبودیت کا سبب و ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے قربانی اور توحید کو مقرون و متحد کر کے پیش کیا ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا (الحج - ۳۴) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تا کہ (اُس امت کے) لوگ، اُن جانوروں پر اللہ کے نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں، پس تمھارا خدا ایک ہی ہے اور اسی کے تم مطیع فرمان بنو۔

خود مفکر قرآن نے اس آیت کا ترجمہ بایں الفاظ پیش کیا ہے۔

> ہم نے ہر قوم کے لیے قربانی (یا طریق عبادت وقربانی) کا ایک طور طریقہ ٹھہرایا تا کہ وہ ان چوپایوں پر، اللہ کا نام لے کر ذبح کریں جو اس نے ان کو عطا فرمائے ہیں، سو تمھارا اللہ وہی ایک اِلٰہ ہے، سو تم اسی کے سامنے جھکو۔ [1]

[1] معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۶

جائزے کا تیسرا پہلو

عین حج کے موقع پر، حرم پاک میں، روئے زمین سے آنے والے حاجیوں کا مشغولِ عبادت ہونا، اور ان ہی دنوں میں، خارج از حدودِ حرم، پوری امتِ مسلمہ کا نسک ونحر کے ذریعہ، ان کا شریکِ حال ہونا، ان میں ایک ہی دین وملت اور ایک ہی تہذیب وثقافت کے علمبردار ہونے کا وہ جذبہ واحساس پیدا کرتا ہے، جس کے مقابلے میں، ہر مادی نقصان ہیچ ہے، صرف اسلام ہی نہیں، ہر قوم کے قومی تہوار، افرادِ قوم میں وحدت کا وہ شعور پیدا کرتے ہیں، جو ان کے قومی تشخص کو اجاگر کرتا بلکہ نشوونما دیتا رہتا ہے، اس قیمتی شعور واحساس کو معاشی اخراجات کے گز سے نہیں ناپا جاسکتا۔ آج مسیحیت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، مسیحی افراد، وطنی، لونی، لسانی، اور معاشی طور پر کئی طبقوں اور حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، شاید ان کے درمیان، (مسیحیت کے نام کے علاوہ) کوئی قدرِ مشترک عملاً باقی نہیں ہے، ماسواء، اس تہوار کے، جو وہ ''کرسمس'' کے نام پر مناتے ہیں، سال بھر کے بعد، یہ تہوار، اگر روئے زمین پر پھیلے ہوئے، تمام عیسائیوں میں، ایک مذہب وملت کے افراد ہونے کا احساس پیدا کرتا ہے، تو ان کے ہاں، یہ احساس، ایسی نعمتِ گرانمایہ ہے کہ وہ اس کے مقابلے میں، اس پر اٹھنے والے مصارف کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اگر آپ کسی عیسائی سے یہ کہیں کہ --- ''جناب! اس تہوار پر جس قدر خرچ کرتے ہیں، اسے آپ رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف کر کے، اپنی قوم کی بہتر خدمت کر سکتے ہیں، لہٰذا، اس تہوار کو منانا چھوڑ دیں'' --- تو وہ آپ کی معاشی میزان پر تلی ہوئی اس نصیحت کو آپ کے سر پر دے مارے گا، ہندوؤں سے بڑھ کر، زر پرست اور روپے پیسے پر، جان دینے والی قوم، اور کونسی ہوسکتی ہے؟ یہ لوگ بھی اپنے تہواروں پر اٹھنے والی رقوم کو، اقتصادیات کے ترازو میں تولنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں، کیونکہ یہ تہوار، ان میں یکجہتی کا احساس، اور وحدت کا شعور پیدا کرتے ہیں، لیکن ہمارے مہربان، یہ وعظ فرماتے نہیں تھکتے کہ --- ''ہر سال، جتنے جانور، عیدالاضحیٰ کے موقع پر ذبح کیے جاتے ہیں، اگر ان کی قیمت، حکومت کے حوالہ کر دیجائے، تو سینکڑوں رفاہِ عامہ کے کام ہو سکتے ہیں'' ---

اقتصادی اعتراضات کا جائزہ

قربانی پر منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا جائزہ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بڑے خوبصورت انداز میں لیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

معیشت کے خلاف ہے؟ لاکھوں انسان اور گلہ بان ہیں جو سال بھر تک جانور پالتے ہیں اور بقرعید کے موقع پر، ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں، کیا ان کی روزی کا دروازہ بند کر دینا، آپ کے نزدیک بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا ہے؟ ہزار ہا غریب ہیں جن کو قربانی کی کھالیں مل جاتی ہیں اور ہزار ہا قصائی ہیں جن کو ذبح کرنیکی اجرت مل جاتی ہے، کیا یہ سب آپ کی قوم سے خارج ہیں کہ آپ، ان کی رزق رسانی کو فضول بلکہ مضر اور داخل اسراف سمجھتے ہیں؟

پھر یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ کو تمام قومی ضروریات اور سارے فوائد و منافع، صرف اسی وقت یاد آتے ہیں، جب خدا کے کسی حکم کی پابندی میں روپیہ صرف ہو رہا ہو؟ گویا بینکوں کا قیام، اور قومی ادارات کا فروغ، اور اعتقاد و اخلاق کی اصلاح اور یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کا سارا کام، صرف قربانی ہی کی وجہ سے رکا پڑا ہے، اِدھر یہ بند ہوئی اور اُدھر قومی اداروں پر روپیہ برسنا شروع ہو جائے گا۔

اگر آپ کی قومی تنظیم ایسی ہی مکمل ہے کہ سارے ملک کا روپیہ جمع کر کے آپ ہر سال، ایک تجارتی بینک کھول سکتے ہیں تو ذرا سی تکلیف گوارا کر کے پہلے ملک بھر کے سینما ہالوں اور قحبہ خانوں اور بدکاری و اسراف کے دوسرے اڈوں پر تو اپنے ایجنٹ مقرر فرمایئے، تاکہ مسلمانوں کا جس قدر روپیہ وہاں ضائع ہوتا ہے وہ قومی فنڈ میں وصول ہونا شروع ہو جائے، اس طرح آپ ہر سال نہیں بلکہ ہر روز ایک تجارتی بینک کھول سکتے ہیں۔

پھر اگر آپ میں کچھ تعمیری قوت ہے تو قربانی کی تخریب کی بجائے، آپ اسے زکوٰۃ کی تعمیر ہی میں کیوں نہیں صرف فرماتے، کہ تنہا اسی ایک چیز سے آپ وہ تمام قومی ضروریات پوری کر سکتے ہیں جن کی خاطر، قربانی بند کرنے کی تبلیغ آپ نے شروع کی ہے۔[1]

جائزے کا چوتھا پہلو

قربانی کو ایمان و اعتقاد اور عبادت و اطاعتِ ایزدی کے ترازو میں تولنے کی بجائے، اقتصادیات کے ترازو میں وزن کرنے کی روش، فی الواقع، مادیت پر ایمان کا کرشمہ ہے، مادہ پرستی میں ڈوبے ہوئے ذہن، قربانی کو، قومی دولت کا "ضیاع" نہ سمجھیں تو کیا سمجھیں؟ مادیت یا مادہ پرستی کی یہ عینک، جس کی بھی آنکھوں پر چڑھی ہے، اس نے تمام اسلامی احکام و ہدایات کو اسی رنگ میں دیکھا ہے، انھیں صرف قربانی ہی پر اعتراض نہیں، اسلام کی ہر روایت اور دین کی ہر عبادت پر اعتراض ہے، انھیں جس طرح قربانی کی صورت میں، معاشی نقصان نظر آتا ہے اُسی طرح نماز کی صورت میں بھی معاشی مضرت نظر آتی ہے، ان کے نقطۂ نظر سے روزانہ پانچ نمازوں پر اگر اڑھائی گھنٹے بھی صرف ہوں تو بارہ کروڑ کی آبادی روزانہ تیس کروڑ گھنٹے "ضائع" کر دیتی ہے --- پھر سال بھر میں، جو وقت، نماز پڑھنے والے "ضائع" کرتے ہیں، اس کا حساب، خود لگا لیجئے! --- اسی معاشی منطق سے سوویٹ روس نے اشتراکی انقلاب کے بعد، تاخت و تاراج ہونے والے علاقوں کے مسلمانوں کو نماز کے "معاشی نقصانات" سمجھائے تھے، یہ وہی ذہنیت ہے جس کے تحت، مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی میں پچیس سال تک حج پر پابندی عائد کیے رکھی، تاکہ حج کی نذر ہونے والے زرِ مبادلہ کے نقصان سے ملک کو بچایا جا سکے، اور یہی وہ ذہنیت تھی جس کے تحت حبیب بورقیبہ

---

[1] تفہیمات، جلد ۲، صفحہ ۳۴۲

نے روزوں کی مخالفت کی تھی، اِسے انتہائی پختہ ایمان کی نومسلم خاتون، محترمہ مریم جمیلہ نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔

> The influence of Islam in the modern world has weakened to such an alarming extent that the President of Tunisia, Habib Bourguiba, in a nation-wide speech, delivered over radio, on February 18, 1960, dared publically to attack on the fasting of Ramzan, blaming it for hindering Tunisia's economic development "Fasting may be intended to purify the spirit by enfeebling the body, what I need are strong bodies to revolutionise this country and raise us to the western standard of living." President Bourguiba argued that the struggle for economic development excuses workers from the Ramazan fasting. He then bitterly denounced the Rector of Zaitonia University for refusing to consider the economic growth of Tunisia more important than the Ramazan.*

> دورِ جدید میں اسلام کا اثر ورسوخ، اسقدر چونکا دینے کی حد تک کمزور پڑ گیا ہے، کہ تیونس کے صدر حبیب بورقیبہ نے اپنی ایک قومی سطح کی تقریر میں، جو ۱۸ فروری ۱۹۶۰ء کو ریڈیو پر نشر کی گئی تھی، رمضان کے روزوں پر کھلم کھلا حملہ کرنیکی جرأت کی، اس نے ماہ رمضان پر یہ الزام لگایا کہ روزے تیونس کی اقتصادی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، اس نے کہا ''ہوسکتا ہے کہ روزوں کا مقصد، جسم کو کمزور بنا کر روح کو خالص اور طاقتور بنانا ہو، مگر مجھے جس چیز کی ضرورت ہے (وہ روحانی قوت نہیں بلکہ) ایسے مضبوط اور قوی جسم ہیں جو اس ملک میں انقلاب برپا کرسکیں اور ہمارے معیارِ زیست کو مغرب کی سطح پر بلند کرسکیں''۔ صدر حبیب بورقیبہ نے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اقتصادی ترقی کی جدوجہد کارکنوں کو، رمضان کے روزوں سے سبکدوش کردیتی ہے، اس کے بعد اس نے زیتونیہ یونیورسٹی کے سربراہ کو اپنی شدید لعنت ملامت کا نشانہ بنایا کیونکہ اس نے رمضان کی نسبت، تیونس کی معاشی ترقی کو زیادہ اہمیت دینے سے انکار کردیا تھا۔

یہ ہے وہ مادہ پرستانہ ذہنیت، جس کے تحت، قربانی کی مخالفت کی جارہی ہے، اس ذہنیت کا یہ کرشمہ ہے کہ وہ دینِ اسلام کے ایک ایک حکم کو اقتصادی مصالح کے ترازو میں تولتی ہے، اور جو فرمانِ خداوندی، اس میزان میں پورا نہیں اترتا، یہ ذہنیت، اسے کالعدم قرار دینے کے لیے راہیں تلاش کرتی ہے، اگر قربانی کی مخالفت میں، اس مادہ پرستانہ ذہنیت کو اختیار کرلیا جائے، تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آج قربانی کا انکار کیا تو کل، نماز کا انکار ہوگا، پرسوں روزوں کی باری آئے گی، اس کے بعد حج سے ہاتھ دھونے پڑیں گے، الغرض، پوری اسلامی تہذیب، اقتصادی مصلحتوں کے خراد پر چڑھ جائے گی، اور بالآخر چھل چھلا کر وہ ایسی شکل اختیار کرے گی کہ ماسوائے اسلام کے اسم کے، کوئی دینی روایت باقی نہ رہے گی اور پھر بالآخر، اسمِ اسلام بھی مٹ

---

*(Islam Versus west by Maryam Jameela. P.42)

جائے گا --- لیکن یہ ان لوگوں کی بھول ہے، وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔

آج کے اس دورِ انحطاط میں، اگر ہم اعمالِ صالحہ کی روح سے محروم ہیں، تو کم از کم، اعمال کے یہ قالب تو موجود ہیں، اور غنیمت بھی۔ بقول اقبال

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے ۔ وہ دل ، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج ! ۔ یہ سب باقی ہیں ، تو باقی نہیں ہے

مگر منکرینِ حدیث، جس ذہنیت کی آڑ میں، مخالفتِ قربانی کے نام پر، یہ کھیل کھیلنا چاہتے ہیں، اس سے ان کا مقصود، ان اعمال کی روح ہی نہیں، ان کا وجود بھی مٹا دینا ہے۔ اَعَاذَ نَا اللّٰهُ مِنْ ذَالِكَ۔

جائزے کا پانچواں پہلو

رہا پرویز صاحب کا یہ فرمان کہ --- ''جس طرح آج کل حج کی تقریب پر لاکھوں کی تعداد میں، بھیڑ بکریاں ذبح کر کے، زمین میں دبا دی جاتی ہیں .... '' تو یہ بھی ان کی لاعلمی ہے، آج ہر شخص، حج پر جا کر، خود دیکھ سکتا ہے کہ پرویز صاحب کے اس بیان میں صداقت و حقیقت کا کتنا عنصر پایا جاتا ہے، تضییعِ لحم کے بارے میں، وہاں سرے سے یہ بات ہے ہی نہیں جو ''مفکر قرآن'' صاحب نے بیان کی ہے، ممکن ہے ماضی میں کبھی ایسا ہوا ہو، مگر اب تو دورِ حاضر کے جدید ترین وسائلِ نقل و حمل نے اس گوشت کو آن کی آن میں دنیا بھر کے مستحقین تک پہنچانے کا بندوبست کر ڈالا ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض، قربانی کا گوشت وہاں واقعی ضائع ہی ہو رہا ہو، تب بھی ایک مسلمان کے لیے --- بشرطیکہ وہ حقیقتاً مسلمان ہو --- یہ کہاں جائز ہے کہ وہ اس بات کو، قربانی کے عدمِ جواز کا بہانہ بنا لے اور اس قربانی کو ختم کر دینے کے درپے ہو جائے، جسے اللہ نے شعائر اللہ قرار دیا ہے، اور جس کے متعلق، قرآن کریم نے لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ کہا ہے اور جس کے کر ڈالنے کا حکم، ھدی، نسک اور نحر کے الفاظ میں دیا ہے، اسے تو چاہیے تھا کہ اس گوشت کو ضائع ہونے سے بچانے کی کوشش کرتا، نہ یہ کہ الٹا قربانی ہی کو ختم کر ڈالنے پر اتر آتا۔

قربانی پر ایک اور اعتراض اور اس کا جائزہ

قربانی کے خلاف، پرویز صاحب نے اس اعتراض کو اپنی متفرق تحریروں میں بتکرار بسیار دہرایا ہے کہ عید الاضحیٰ کی قربانیوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ

> عید الاضحیٰ کی تقریب پر جس طرح قربانیاں کی جاتی ہیں، ان کا دین سے کیا تعلق ہے؟ [1]

اس اعتراض کا جواب، اگرچہ تفصیل سے دیا جا چکا ہے، مگر یہاں پرویز صاحب کے مزاج کا ایک اور رنگ ملاحظہ

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۴۷

فرمایئے اور یہ بھی دیکھئے کہ قربانی کی مخالفت کا جذبہ، ان کے حواس ومشاعر پر کس قدر غلبہ پاچکا ہے؟ ورنہ وہ قرآنی نقطۂ نظر سے، ''قربانی'' کو ''عیدالاضحیٰ'' کے ساتھ وابستہ کرنے میں، ہم پر کیا اعتراض کرتے، بلکہ وہ خود اس اعتراض کی زد میں آجاتے کہ آپ ''عیدالاضحیٰ'' کو تسلیم کر کے ''اضحیٰ'' کے وجود کا انکار کیسے کرتے ہیں؟

ذرا غور فرمایئے! پرویز صاحب ''قربانی'' کے تو قائل نہیں ہیں مگر نفسِ ''عیدالاضحیٰ'' کی تقریب کے قائل ہیں، وہ جب ہمیں یہ کہتے ہیں کہ --- آپ ''قربانی'' کو ''عیدالاضحیٰ'' کے ساتھ کیوں مقرون ومتحد کرتے ہیں؟ --- تو ان کو ''عید الاضحیٰ'' کے وجود پر تو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، مگر ''اضحیٰ'' پر، وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسے ''قربانی کی عید'' کے ساتھ وابستہ کیوں کیا جاتا ہے؟ حالانکہ قرآن کریم میں نہ تو عیدالاضحیٰ ہی کا ذکر ہے اور نہ ہی عیدالفطر کا۔ لیکن عیدین کے مذکور فی القرآن نہ ہونے کے باوجود بھی، وہ عیدالفطر کو جشنِ نزولِ قرآن کے طور پر مانتے ہیں، اور عیدالاضحیٰ کے نفسِ وجود کو بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اس مطالبہ کے ساتھ کہ اس میں قربانیاں نہ دی جائیں، کس قدر عجیب بات ہے کہ ''مفکرِ قرآن'' صاحب، عیدین کے نفسِ وجود کو تسلیم کر کے، ان سے وابستہ ایک عمل (قربانی) کا انکار کرتے ہیں، جبکہ دوسرے عمل (صدقۃ الفطر) کا اقرار کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اُسے عیدالفطر کہتے ہیں --- آخر اس ثنویت کی قرآنی دلیل کیا؟

فکر پرویز سے وابستہ افراد سے ہماری گذارش ہے کہ اگر آپ، قرآن کی بنیاد پر قربانی کا انکار کرتے ہیں، تو ''قربانی'' سے پہلے ''عیدالاضحیٰ'' کا انکار کیجئے، اسی طرح عیدالفطر اور صدقۃ الفطر کا بھی انکار کیجئے، کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی ازروئے قرآن ثابت نہیں ہے، لیکن اگر آپ، ان کو، نومولود کے کان میں اذان دینے، عقیقہ کرنے، ختنہ کرنے، اور میت کو غسل دینے اور کفن پہنانے وغیرہ جیسے اعمال کی طرح ''معاشرتی امور'' قرار دے کر برقرار رکھتے ہیں (جیسا کہ قرآنی فیصلے، حصہ ا، صفحہ ۱۶۵ پر لکھا گیا ہے، حالانکہ ان میں سے کسی چیز کا وجود بھی قرآن سے ثابت نہیں ہے) تو اسی طرح ''قربانی'' کو بھی ایسا ''معاشرتی امر'' قرار دیکر برقرار رکھا جا سکتا ہے، جسے خود پیغمبرِ خدا ﷺ نے امت میں جاری فرمایا تھا، اور باوجود اس کے کہ اس عمل کا اجراء، دورِ نزولِ قرآن میں ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے کہیں اس کی تردید نہیں فرمائی۔

قربانی کی مخالفت میں مسخِ قرآن کی مثال

قربانی کے خلاف، ''مفکرِ قرآن'' کا جو ذہن بن چکا تھا، اس نے قرآن کریم کے ''ذبحِ اسماعیلؑ'' کے واقعہ کو بھی بُری طرح مسخ کر ڈالا ہے، حالانکہ یہ واقعہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ کی بہترین تصویر پیش کرتا ہے، اس واقعہ کا جس بُری طرح حُلیہ بگاڑا گیا ہے، اسے ہم پرویز صاحب ہی کے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں۔ تاہم، اقتباسِ پرویز کے بعد، اس اقتباس کی تردید میں، جو کچھ ہم نے لکھا ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت ابراہیم کے ہاں کبرسنی میں ایک لڑکا (حضرت اسماعیل) پیدا ہوا، فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ (۱۰۲/۳۷) جب وہ

لڑکا، باپ کے ساتھ کام کاج (بھاگنے دوڑنے) کے قابل ہوا تو آپ نے اپنے ایک خواب کی رو سے سمجھا کہ خدا نے حکم دیا کہ اس بیٹے کو (اللہ کی راہ میں) قربان کر دیا جائے، آپ نے بیٹے سے کہا کہ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (۱۰۲/۳۷) ''اے میرے بیٹے، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، کہو تمھارا کیا خیال ہے'' بچے نے جواب میں عرض کیا يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (۱۰۲/۳۷) ''ابا جان! جس بات کا اشارہ آپ کو ملا ہے آپ (اسے حکم خداوندی سمجھتے ہیں تو) بلا تامل کر گزریئے، ان شاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے''، باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا، چھری ہاتھ میں لی فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (۱۰۳/۳۷) تو نَادَيْنٰهُ ہم نے اسے آواز دی اور کہا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اے ابراہیم (۱۰۴/۳۷) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ (۱۰۵، ۱۰۴/۳۷) تو نے اپنے بیٹے کو سچ مچ ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا (یہ ہمارا حکم نہیں تھا، یونہی تمھارا خیال تھا، اس لیے ہم نے تمھیں اور تمھارے بیٹے کو اس نقصان سے بچا لیا)، اس لیے کہ جو لوگ ہمارے قوانین کے مطابق، حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں، ہم انھیں اس قسم کے نقصانات سے بچا لیا کرتے ہیں۔ [1]

اس اقتباس میں، جو تحریف کی گئی ہے وہ کئی پہلوؤں پر مشتمل ہے، مثلاً

(۱) ''آپ نے خواب کی رو سے سمجھا'' --- گویا یہ کوئی قطعی حکم نہیں، جو آپ کو بذریعہ وحی دیا گیا تھا اور جسے آپ نے جان لیا تھا بلکہ آپ نے خود ایسا سمجھ لیا۔ العیاذ باللہ۔ سوال یہ ہے کہ ''مفکر قرآن'' کو کیسے پتہ چلا کہ یہ کوئی قطعی حکم نہیں تھا۔ کیا انھیں وحی آئی یا وہ خود ''مزاج شناسِ خدا'' تھے؟

(۲) اِشارہ، نہ کہ قطعی حکم۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ!

(۳) ''آپ اسے حکم خدوندی سمجھتے ہیں تو ....'' گویا خدا خود کہہ رہا ہے کہ یہ میرا حکم نہ تھا اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو .... کیا بدترین تحریفِ قرآن ہے! خوب سمجھ لیجیے کہ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ کا قطعی مفہوم یہ ہے کہ --- ''ابا جان! جس چیز کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، اسے کر گزریئے''۔

(۴) ''تو نے اپنے بیٹے کو سچ مچ ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا ....'' یہ گویا اللہ میاں کا تبصرہ ہے جو وہ اپنے ''سادہ لوح'' نبیؑ پر فرما رہا ہے جب کہ وہ بیچارہ، اپنی عقل کے اس امتحان میں بری طرح فیل ہو گیا جس میں بذریعہ خواب آزمایا گیا تھا۔

(۵) ''یہ ہمارا حکم نہیں تھا، یونہی تمھارا خیال تھا ....'' معلوم نہیں کہ ''مفکر قرآن'' کو کس آسمان سے یہ وحی آئی کہ یہ حکم خدا نہ تھا، محض ایک خواب تھا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا۔ یہ ہے دراصل ''مفکر قرآن'' کی ''مزاج شناسیٔ خدا''۔

(۶) ''.......... حسن کارانہ انداز ....'' یہ عجیب حسن کارانہ انداز ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، جو حکمِ خدا نہ تھا، اسے حکمِ خدا سمجھ بیٹھے، اور بیٹے کی جان لینے کے درپے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ، ان کی اس حسن کاری پر، انھیں داد دے رہے ہیں؟ سبحان اللہ! کیا خوب قرآن فہمی ہے۔

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۲۵۰

اس اقتباس کو پھر پڑھیے اور خود سوچیے کہ یہ کلام اللہ کی ''تفسیر وتشریح'' ہورہی ہے؟ یا ''ترمیم ومرمت''؟ یا تغلیط وابطال؟ سچ ہے۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند!

اب آخر میں، ان ہی آیات کا وہ صحیح ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے جو متحدہ ہندوستان میں، ''مفکر قرآن'' بایں الفاظ پیش کیا کرتے تھے۔ یہ اقتباس، مولانا مودودیؒ کے ترجمان القرآن میں، چھپنے والے، ان کے ایک مقالہ سے ماخوذ ہے۔

''اے بیٹا! میں نے خواب میں (حکم پایا ہے، اور) دیکھا ہے، کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ کہو، تمھارا کیا خیال ہے؟'' عرض کیا ''ابا جان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے، بلا تامّل کر گزریئے، ان شاء اللہ العزیز، آپ مجھے صابر پائیں گے''۔ جب وہ دونوں ''مسلم'' ہوگئے، اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے آواز دی کہ (صد مرحبا) اے ابراہیم! بیشک تو نے اپنے خواب کو سچا کر دیا۔ نیکو کاروں کو ہم اسی طرح اجر دیا کرتے ہیں۔ یقیناً یہ امتحان بہت بھاری تھا۔ اس کے بدلے میں ہم تمھیں بڑی قربانی دیتے ہیں، جو قیامت تک باقی رہے گی۔ سلام اور درود ہو ابراہیم پر۔ ہم اسی طرح اپنے نیک بندوں کو اجر دیتے ہیں۔ بیشک ابراہیم، ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ [1]

[1] ترجمان القرآن، جلد ۲، شمارہ ۵، جمادی الاولی، ۱۳۵۲ھ، جولائی ۱۹۳۳ء، صفحہ ۳۰۴ تا ۳۰۵